

حالم

مہربان

حلم: نمرہ احمد

فسط 22

نمرہ احمد

یا کسوسا کسوسی ڈاک کام

حالم (نمرا احمد)

بائیسواں باب:

”وقت مہربان“

اس کی بند آنکھوں کے پار صرف اندھیرا تھا۔ ذہن کا پردہ کسی بھی خواب سے خالی تھا۔

کھڑکی کے باہر کسی کار کا ہارن سنائی دیا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھی۔ پھر ارگرد دیکھا۔

وہ قدیم ملاکہ میں نہیں تھی۔ وہ کے ایل کے ایک موٹل روم میں نیند سے جاگی تھی۔ اور نیند بھی ایسی جو خوابوں سے خالی تھی۔

وہ گزشتہ رات جو ٹکرا سٹریٹ کے ایک مین ہول سے واپس اپنی دنیا میں آئی تھی۔ اور یہاں آ کے معلوم ہوا تھا کہ ہاتی

ساری دنیا آگے بڑھ چکی تھی۔ وہ پیچھے رہ گئی تھی۔ ایسے جنگجو کی مانند جو میدان جنگ میں پیچھے دیکھنے کی غلطی کی پاداش میں تمک

کا مجسمہ بنا دیا جاتا ہے۔ دوست اور دشمن.... ہارتے جیتے.... جھنڈے گاڑتے آگے بڑھتے جاتے ہیں.... اور وہ تمک کا مجسمہ

وہیں کھڑا رہ جاتا ہے۔ زمان و مکان کی قید سے آزاد۔

”چھ سال وقت نے میرے چھ سال چھین لیے۔“ اس نے تنہا سے کھڑکی کے پار دیکھا جہاں نئے دن کا سورج

طلوع ہو رہا تھا۔

لوگ کہتے تھے وقت سب سے بڑا مسیحا ہوتا ہے۔ وقت زخم مندمل کر دیتا ہے۔ وقت یہ وقت وہ۔ لیکن کوئی تالیہ بنت مراد

سے پوچھتا تو وہ کہتی کہ وقت قطعاً مہربان نہیں تھا بلکہ وقت سے زیادہ ظالم کوئی نہیں تھا۔

وہ قدیم ملاکہ سے جدید دنیا میں صرف ایک پوٹلی کے ساتھ آئی تھی جس میں چند زیورات تھے یا سونے کے سکے۔ جدید

زمانے کی کرنسی اس کے پاس نہ تھی لیکن اسے اپنے چند کریڈٹ کارڈز کے نمبرز یاد تھے۔ رات جب اس نے انہیں استعمال کرنا

چاہا تو وہ کام نہیں کر رہے تھے۔ شاید ایکسپائر ہو گئے تھے۔

پھر اس نے وہی کیا جو اسے کرنا آتا تھا۔ بس اسٹیشن پہ کسی کے پرس میں ہاتھ ڈالا.... تو کسی کا ہنہ دھیرے سے نکالا۔ آج

کوئی اس کا موردا لازم نہیں ٹھہرا سکتا تھا۔ آج اسے کسی نہ کسی طرح سروائیو کرنا تھا۔ رات کے تیسرے پہر وہ کے ایل پہنچی۔ شہر کی فسیل ہو یا بس اسٹاپ..... کہیں کوئی تالیہ مرا کی تاک میں نہ بیٹھا تھا۔ چھ سال بعد نہ اس کے ”پولیس کو مطلوب“ والے پوسٹرز وہاں تھے نہ کسی کو وہ یاد تھی۔ کچھلی دفعہ فاتح اسے بھولا تھا۔ اس دفعہ ساری دنیا اسے بھول گئی تھی۔

کے ایل پہنچ کے وہ اپنی اسٹریٹ میں پہنچی تو اسے دھکا سا لگا۔ حالم کا بھگدوہاں نہیں تھا۔ اس کی گرفتاری کے وقت حکومت نے اس کے اٹاٹے ضبط کر لیے تھے۔ بعد میں قانونی یا غیر قانونی طور پر اس کے گھر کو غالباً سرکاری املاک شمار کر کے اس کو منہدم کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ اب وہاں ایک سرکاری دفتر بنا تھا۔ اس کا گھر اس کا نہیں رہا تھا۔ وقت... وقت نے اس کے ساتھ بہت نا انصافی کی تھی۔

پہلی رات ایک فرضی نام کے ساتھ موٹل میں گزار دی۔ صبح میں وہ نیچے ریسیپشن پہ آئی تو ریسیپشنسٹ نے مسکرا کے اسے سلام کیا۔ وہ بھی مسکرا دی۔ سیاہ بالوں کو پونی میں باندھے، آنکھوں پہ چشمہ لگائے وہ سفید ٹراؤزرز پہ کھنٹوں تک آٹا سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ وہ ریسیپشنسٹ سے آنکھ نہیں ملارہی تھی مگر تھوڑی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ کوئی اسے نہیں پہچانتا تھا۔ کسی کو اس میں دلچسپی نہ تھی۔

تالیہ موٹل سے ہائرنگل اور ٹیکسی میں بیٹھی۔ اسے آج شہر میں مختلف جگہوں پہ چھپائے اپنے ”گوئیگز“ ڈھونڈنے تھے۔ کرنسی پاسپورٹ چند ضروری چیزیں جو برے وقت میں کام آئی تھیں۔ اور بر وقت آن پہنچا تھا۔ سڑک پہ بھاگتی ٹریفک.... گاڑیوں کا شور.... بہت تیزی سے چلتی دنیا.... ہر شے اس کے اندر عجیب سا خوف پیدا کر رہی تھی۔

ریلوے اسٹیشن کا لاکر خالی تھا۔ اتنے برس گزرنے کے بعد اس کا گویک وہاں کیسے موجود ہو سکتا تھا؟ ہونہ۔ دوسری منزل ایک بینک کاؤنٹ کا سیف تھا۔ جس آئی ڈی کارڈ پہ اس نے یہ بینک میں یہ سیف لیا تھا وہ آئی ڈی کارڈ ایک پوسٹ آفس کے لاکر میں چھپا کے رکھا تھا۔ مگر وہ وہاں گئی تو وہ کارڈ بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ انسانوں نے چھپے خزانے کب چھوڑے ہیں؟ جس کو جہاں موقع ملا ہاتھ صاف کر لیا۔

اور اب اسے اپنا آخری گویک ڈھونڈنا تھا اور وہ جانتی تھی وہ وہیں ہوگا جہاں اس نے اسے چھپایا تھا۔ جب رات گہری ہو گئی تو وہ اس قبرستان گئی جہاں اس نے اپنا سب سے قیمتی گویک چھپایا تھا۔ وہ قبراب بھی ویسی تھی۔ اس پہ نصب صلیب اسی طرح کھڑا تھا۔ سیاہ ہڈی میں ملبوس تالیہ نے کدال سے قبر کھودنی شروع کی۔

امرد ایک لکڑی کا تابوت تھا جس کے اوپر ہر جگہ مٹی لگی تھی۔ تالیہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ ڈھلکس ہٹایا۔
اس کا گویک امرد موجود تھا۔ اس نے تیزی سے زپ کھولی۔

پاسپورٹ، آئی ڈی، نوٹوں کے بنڈل اور چند سفری دستاویزات۔ سب کچھ پلاسٹک کی تھوں میں محفوظ تھا۔ تالیہ نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی اور اندھیر آسمان کو دیکھا۔

اس رات اپنے موٹل روم میں بیٹھے اس نے سوچا.... اسے قاتح سے بات کرنی تھی۔ ایلم سے بات کرنی تھی۔ داتن سے بات کرنی تھی۔ انسان بات کیے بغیر جو بیس گھنٹے نہیں گزار سکتا.... اور اس کو کسی سے ڈھنگ سے بات کیے بتائیں گھنٹے ہونے کو آئے تھے۔

قاتح، ایلم، داتن.... کسی کا پرانا نمبر اب استعمال میں نہ تھا۔ قاتح کے ای میل ایڈریس پہ ای میل جا کے پلٹ آئی کیونکہ وہ ایڈریس اب بلاک ہو چکا تھا۔ سکیورٹی پروٹوکول شاید۔ اُف۔ ایلم کا ای میل اسے یاد نہ تھا۔ داتن کو اس نے ایک میسج بورڈ پہ پیغام چھوڑا اور پھر پوری رات بار بار اس میسج بورڈ کو چیک کرتی رہی۔ کوئی رد عمل، کوئی جواب، کچھ بھی اس کی طرف نہ آیا۔

رات کے تیسرے پہر تالیہ نے ایک دفعہ پھر داتن قاتح کو گول کرنا شروع کیا۔ وہ اس کی ہر ویڈیو ہر تصویر میں اس کے چہرے پہ بے قراری سے کوئی تاثر ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کہیں اس نے تالیہ کا نام لیا ہو.... کہیں اس نے کہا ہو کہ وہ اس کو یاد کرتا ہے.... لیکن ایسا کچھ نہ تھا۔ پرائم منسٹر بننے کے بعد اس نے انٹرویوز دینے چھوڑ دیے تھے۔ چھ سالوں میں ورجن بھر سے نذر اندر ویوز اسے نہیں ملے تھے۔ البتہ تقاریر بہت تھیں۔ ان کا وہ کیا کرتی؟

وہ وزیر اعظم تھا۔ ملک کا سب سے طاقتور آدمی۔ اس تک رسائی ناممکن تھی۔ ایک عام لڑکی بھلا کیسے اس تک کوئی پیغام پہنچا سکتی تھی؟

اس نے ایلم بن محمد کو سرچ کیا۔ وہ سلیم بٹی والی زندگی گزار رہا تھا۔ ایوارڈ شو، انٹرویوز، بک سائننگ تقاریب.... وہ اپنی دنیا میں گم تھا۔ البتہ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ ایک انٹرویو میں انکرنے اس وجہ پوچھی تو وہ اس بات پہ اداسی سے مسکرا دیا۔ بیڈ پہ بیٹھی، موبائل پہ انٹرویو دیکھتی تالیہ دم سادھ کے اس کا جواب سننے لگی۔

اسکرین پہ ایلم ایک آرام دہ صوفے پہ بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ اس نے نئی جہیز پہ سفید ہائی نیک پین رکھی تھی اور ٹانگ پہ ٹانگ بجائے ہازو صوفے کی پشت پہ پھیلا رکھا تھا۔ ایلم کی پشت پہ دیوار میں کتابوں سے سجے شیلف بنے تھے۔ یہ اس کی اسٹڈی تھی جس کے وسط میں رکھے صوفوں پہ ایلم اور خاتون انکرنے سامنے بیٹھے تھے۔

جب کمرہ خاتون انکرنے کو دکھانا (جو ایلم سے شادی کے متعلق سوال پوچھ رہی تھی) تو اس کے پیچھے اسٹڈی کا وہ حصہ نظر

آتا جہاں اسٹڈی ٹیبل اور اونچی کرسی رکھی تھی۔ میز پہ ٹیبل لیسپ رکھا تھا۔ ٹین ہولڈر۔ چند ترتیب سے رکھی کتابیں اور لیسپ ٹاپ۔ یہاں بیٹھ کے وہ کتابیں لکھتا ہوگا۔ اور کتابیں پڑھتا ہوگا۔

ساری دنیا سے ہٹ کے وہ اس میز پہ بیٹھا کتابوں میں پناہ ڈھونڈتا ہوگا۔ وہ پیارا ایلم بن محمد۔ وہ اس سے کیسے رابطہ کرے۔

لنکر کی آواز پہ اس کا ارکاز ٹوٹا۔

”آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟ یا پھر.... کب کرنے کا ارادہ ہے؟“

وہ مسکرایا اور ہلکے سے شانے اچکائے۔ ”کوئی ملا ہی نہیں جس کے بارے میں سوچتا۔ شاید مجھے ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم کہ میں لائف پارٹنر میں کیا تلاش کر رہا ہوں۔“

گفتگو کا رخ وان فاتح اور موجودہ حکومت کی طرف مڑ گیا تو ایلم نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

”پرو حان منتری اس سے اچھا پر فارم کر سکتے تھے۔ اس سے بہتر پالیسیز بنا سکتے تھے۔ لیکن پانچ سالوں میں انہوں نے ڈھنگ سے ایک بل پاس نہیں کروایا۔“

”کیا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس پچھلی حکومت میں واضح اکثریت نہیں تھی؟“

”چلیں اس دفعہ تو ہے۔ میرے جیسے لوگ اب دیکھنا چاہیں گے کہ اس دفعہ وان فاتح کیا کرتے ہیں۔“ اس کے انداز میں اجنبیت اور بے گانگی تھی۔ تالیہ کو عجیب سا احساس ہوا۔ کیا وہ دونوں اب دوست نہیں رہے تھے؟ کیا ایلم نے فاتح کی مخالفت شروع کر دی تھی؟ ظالم وقت نے ان دونوں کی دوستی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ وہ الجھ کے رہ گئی تھی۔

اس نے ایلم اور فاتح کا نام لکھ کے گوگل کیا تو سامنے ایلم کے کئی آرٹیکلز کھل گئے جن کی شہ سرخیاں وان فاتح پہ کھلم کھلا تنقید کرتی نظر آتی تھیں۔ اس نے موبائل بے دلی سے سائیڈ ٹیبل پہ ڈال دیا۔

وہ کس سے بات کرے؟ داتن فاتح اور ایلم کے علاوہ صرف ڈو لکھنئی تھا لیکن جس طرح تالیہ نے اسے دھوکہ دیا تھا وہ اس کے پاس نہیں جاسکتی تھی۔ اس سارے شہر میں اور کون تھا جس سے وہ بات کر سکتی تھی؟

صرف ایک نام تھا جو ذہن میں آتا تھا۔ اسے اس ایک شخص کا پتہ تلاش کرنا تھا۔ کم از کم یہ کام تھا جو وہ چھ سال بعد بھی کر سکتی تھی۔

☆☆=====☆☆

کے ایل کے ایک پوٹ ملائے میں بنے اس گھر کی چھت غرڈی تھی۔ آج صبح کاذب کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی تیز

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

بارش ہوئی تھی۔ اس لیے مخروطی چھت کے کناروں سے پانی کے قطرے ہنوز ٹپک رہے تھے۔ سامنے پھیلا چھوٹا سالان بھی ابھی تک گیلا تھا۔

تالیہ نے دروازے پہ لگی بیل بجائی اور پھر جیبوں میں ہاتھ ڈالے کٹری انتظار کرنے لگی۔ اس نے لمبے رین کوٹ کی ہڈی پہ ڈال رکھی تھی اور احتیاط سے ادھر ادھر بھی دیکھتی تھی۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور گھر کا مالک باہر نکلا۔
 ”یس؟“ انہوں نے رسمی انداز میں سامنے کٹری لڑکی سے پوچھا۔ پھر ٹھٹھک کے رکے۔ آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔
 بمشکل دو سیکنڈ گئے تھے انہیں تالیہ مراد کو پہچاننے میں۔ وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکے۔

”تالیہ مراد؟“

”جی پراسیکیوٹر احمد نظام۔ میں تالیہ ہوں۔ لائیک ٹائم؟“ وہ آزر دگی سے مسکرائی۔
 احمد نظام پہلے سے زیادہ بوڑھے اور دبے ہو گئے تھے۔ کتنی ہی دیر تھیرے اسے دیکھتے رہے۔ پھر سر جھٹکا۔
 ”میں اب پراسیکیوٹر نہیں ہوں۔“

”جانتی ہوں۔ آپ ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔ ایک پرائیوٹ وکیل کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ اور ان چھ سالوں میں آپ نے تین گھریلو لیے پتہ معلوم کرنے میں مجھے پورا دن لگا۔ اندر آ سکتی ہوں؟“ انہوں نے بنا ٹپکیں جھٹکے اسے دیکھتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا۔ کیا یہ لڑکی واقعی تالیہ تھی؟ آج بھی ویسی ہی تھی۔ نہ اس کی صورت بدلتی تھی نہ انداز۔
 مگر نہیں۔ وہ خوفزدہ تھی۔ اس کو اپنے سنگ روم میں بٹھا کے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے احمد نظام نے سوچا۔ وہ چوکتی سی بار بار اطراف میں دیکھتی تھی۔ کمرے میں نیم اندھرا تھا۔ احمد نظام نے جالی دار پردے ہٹائے تو سبز لان دکھائی دینے لگا۔
 وہ کٹری کے مقابلہ صوفے پہ بیٹھی تھی۔ اس کی نظر بیک وقت کٹری اور داخل دروازے دونوں پہ تھی۔

”اتنے سال بعد.... کیسے آئیں آپ تالیہ؟“

”بس یوں سمجھیں کہ وقت میرے لیے بہت سفاک ثابت ہوا ہے۔“ تالیہ نے بھیگی ہوئی ہڈ پیچھے ڈالی۔ اور چہرے پہ آتی ٹیس کان کے پیچھے اڑیں۔ وہ اس اور مضطرب لگتی تھی۔

”اتنے سال کہاں رہیں آپ؟“

”جانتی تھی آپ کا پہلا سوال یہی ہوگا۔ ہر اس شخص کا پہلا سوال یہی ہوگا جس سے میں آج کے بعد میں ملوں گی۔ اس لیے اس کا جواب گھڑیا ہے میں نے۔ یوں سمجھیں کہ ایک دوسرے ملک میں پھنس گئی تھی جہاں سے اتنے برس تک میں نکل ہی نہ پائی۔ اب بالآخر نکلی ہوں تو فوراً کے ایل کارخ کیا۔“

”اور کیا یہ سچ ہے؟“ اپنی ابتدائی حیرت پہ قابو پا کے اب وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔
 ”یہ سچ کے قریب ترین ہے۔ سچ پہ آپ یقین نہیں کریں گے۔“
 تالیہ نے انہیں غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

سادہ شرٹ اور پنٹ میں ملبوس وہ اسے بہت مختلف لگے تھے۔ بالوں کی سفیدی بڑھ گئی تھی اور چہرے کی جھریاں بھی۔
 یعنی یہ طے تھا کہ ہر شخص اسے مختلف لگے گا لیکن وہ سب کو پہلے جیسی لگے گی۔
 ”اتنے برس بعد آپ میرے پاس کیوں آئی ہیں؟“

”کوئی اور تھا نہیں جو میری بات سنتا۔ میں اپنے اوپر بننے کیس کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔ اور میں....“ اس کا گلا رعدھا۔ ”میں خود کو اس الزام سے پاک کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے عصرہ محمود کا قتل نہیں کیا تھا۔“
 ”اگر آپ اس وقت فرار نہ ہوتیں تو یہ ثابت کرنا آسان ہوتا۔ آپ کے فرار نے آپ کو مجرم بنا دیا ہے تالیہ۔“ وہ افسوس سے دیکھ رہے تھے۔

”مگر کوئی تو راستہ ہوگا۔“ وہ بے چمن ہوئی۔ یوں لگتا تھا وہ بغیر پلان کے یہاں آ گئی تھی۔
 ”آپ اتنے سال تک چھپی کیوں رہیں۔ پہلے کیوں نہیں آئیں؟“
 ”وقت نے میرا ساتھ نہیں دیا“ نگلا صاحب۔ مگر آپ بتائیں.... کیا آپ کو لگتا ہے میں عصرہ کی قاتل ہوں؟“
 ”تالیہ....“ انہوں نے گہری سانس اُمر کیچنی۔ ”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے.... آپ کے خلاف بہت سے شواہد موجود تھے۔ میرے پاس اس کیس کی قاتل اب تک پڑی ہے۔ میں لاتا ہوں۔“

وہ اٹھے تو وہ ان کے ساتھ کھڑی ہوئی۔ ”کیا آپ اُمر جا کے پولیس کو کال کریں گے؟ آپ جانتے ہیں میں پولیس کے آنے سے پہلے غائب ہو چکی ہوں گی۔“
 ”اگر آپ اتنے عرصے بعد آ گئی ہیں تو اس کا مطلب ہے آپ خود کو قانون کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں۔ میں قاتل لے کر آتا ہوں۔“

”میں چاہتی ہوں پولیس کے پاس جانے سے پہلے آپ میری بات سنیں۔ اگر میں آپ کو اپنی بے گناہی کا یقین نہ دلا سکی تو کسی کو نہیں دلا سکیں گی۔“

”اس کے لیے ہمیں آپ پہ لگے الزامات اور موجودہ شواہد کا جائزہ لینا ہوگا۔ مجھے قاتل تلاش کرنے میں دیر لگے گی کیونکہ سینکڑوں کی تعداد میں کیس فائلز میرے اسٹور میں رکھی ہیں۔ آپ خود میرے ساتھ آ سکتی ہیں۔“ ان کے انداز سے لگتا تھا وہ

سچ کہہ رہے ہیں۔ مگر وہ مطمئن نہیں تھی۔ وہ ان کے پیچھے چلی آئی۔

احمد نظام کا اسٹور روم کافی کشادہ تھا۔ وہاں میبل در میبل بنے تھے اور ان میں رکھے ہاکسز میں فائلز پڑی تھیں۔ ہر ہاکس کو حروف تہجی اور سن کے اعتبار سے لیبل کیا گیا تھا۔

”ہم نے فلٹیک کے بعد سے ان کو نہیں کھولا۔ مگر انہی میں ہوگی فائل۔ میں نے ایک زمانے میں آپ کے کیس پہ اپنے تئیں لمبی تحقیق کی تھی۔ پھر آپ منظر عام سے غائب ہو گئیں تو آہستہ آہستہ میری گفتیش ٹھنڈی پڑ گئی اور.....“

”اور تالیہ مراد صرف ایک فائل بن کے رہ گئی۔“ اس نے ایک میبل کے اوپر سے ایک ہاکس اٹھایا اور پھونک مار کے گرد اڑائی۔ اس ہاکس پہ صرف ایک نام لکھا تھا۔

تالیہ مراد ۲۰۱۶ء تا ۲۰۱۷ء

تالیہ ہاکس اٹھائے سنگ روم میں واپس آئی۔ کھلی کڑکی سے نظر آتے لان کی گھاس پہ ہلکی ہلکی بوند باندی شروع ہو چکی تھی۔ تالیہ نے ہاکس میز پہ رکھا اور ڈھکن کھولا۔ اندر کاغذات ہی کاغذات تھے۔

احمد نظام اس کے سامنے بیٹھے اور ایک ایک تراشے کو نکالنے لگے۔ وہ یاسیت سے اپنا اعمال نامہ کھلتے ہوئے دیکھنے لگی۔ ”قتل کے کیس میں تین چیزیں اہم ہوتی ہیں‘ جے تالیہ۔“ وہ عینک لگائے کاغذات الٹ پلٹ کرتے ہوئے بتانے لگے۔ ”ثبوت.. آلہ قتل.. اور قتل کی وجہ.. آپ کے کیس میں تینوں آپ کے خلاف جاتے تھے..“

”لو کے.. ثبوت کیا تھے؟“

”آپ قاتع صاحب کے گھر چاکلیٹ ایک بھیجتی تھیں۔ ان کیکس کا آرڈر آپ کے کریڈٹ کارڈ سے کیا گیا تھا۔ بہت سے گواہوں کے مطابق عصرہ محمود نے انہیں خود کہا تھا کہ وہ ایک آپ کی طرف سے آتے تھے اور عصرہ ان کو کھالتی تھیں۔ عصرہ کی شہادت بھی اہم ہے۔ انہوں نے....“ احمد نظام عینک لگائے ایک نام پڑھ کے بتانے لگے۔ ”انہوں نے دولت امان نامی آفسر سے اپنی موت والے دن کہا تھا کہ انہیں شک ہے تالیہ مراد انہیں مردانا چاہتی ہے۔ یہ گواہی بہت اہم ہے۔ اسی دن آپ کا اور عصرہ کا جھگڑا بھی ہوا تھا۔ ملازم اس کے گواہ تھے..“ انہوں نے عینک اتاری اور تالیہ کو دیکھا تو وہ تیزی سے بولی۔

”میرا سوال اب بھی وہی ہے۔ آپ کو کیا لگتا ہے؟“

”مجھے تب بھی معلوم تھا۔ اب بھی معلوم ہے۔ آپ نے عصرہ کا قتل نہیں کیا۔“

وہ اس جواب کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ چند لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکی۔

”کیوں؟ کیا یہ ثبوت کمزور ہیں؟“

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”نہیں۔ کیونکہ یہ ثبوت ”پرفیکٹ“ ہیں۔ یہ آپ کو مجرم ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ جبکہ جتنی ذہین آپ ہیں.... آپ اتنے بڑے بڑے ثبوت نہیں چھوڑ سکتیں۔ آپ کے پاس تو درجنوں شنائیں تھیں۔ پھر آپ نے اپنے ہی کریڈٹ کارڈ سے ایک کیوں آرڈر کیا؟ آپ کو عصرہ کو مارنا ہوتا تو کسی اور طریقے سے بھی مار سکتی تھیں۔ ساری دنیا کے سامنے ان سے جھگڑانہ کرتیں۔ آپ عصرہ کی قاتل نہیں ہو سکتیں۔ اور میں جانتا ہوں ان دنوں آپ مصر میں تھیں۔ آپ کو صوفیہ رحمٰن سے معافی نامہ چاہیے تھا۔ ایسے میں آپ ایک قاتل کیسے پلاٹ کر سکتی ہیں؟“

بارش کی بوندیں اب کھڑکی کے شیشے پہ ٹپکتی نیچے کوڑھک رہی تھیں۔ سبز لان دھندلا گیا تھا۔

”درست۔ دوسری چیز..... آلہ قتل؟“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”ایک کا آخری ٹکڑا جو پولیس کو ملا تھا۔ اس پہ آرسینک چھڑکی ہوئی تھی۔ آلہ قتل آپ کے کارڈ سے آرڈر ہوا تھا تو اس کا کمرابھی آپ تک جاتا تھا۔“

”یعنی ہر چیز میرے خلاف جاتی ہے۔ لیکن میرے پاس ایلی ہائی تھی۔ جس وقت ایک آنے شروع ہوئے میں مصر میں تھی۔“

”جس دن عصرہ کی ڈھکھ ہوئی اس دن آپ کے ایل میں تھیں۔ اس دن آپ کا ان سے جھگڑا بھی ہوا تھا۔ مسئلہ یہ ہے چے تالیہ کہ عام دنیا کی پولیس ظموں والی پولیس سے مختلف ہوتی ہے۔ عام دنیا میں جس کے کارڈ سے آلہ قتل آرڈر کیا جاتا ہے وہی قاتل نکلتا ہے۔ ۹۹ فیصد کیسز میں ظاہری شواہد جس کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہی قاتل ہوتا ہے۔ پولیس ہمیشہ ظاہری شواہد کا پیچھا کرتی ہے۔“

”اور مرڈر مسٹریز کا کیا؟“

”مرڈر مسٹریز اور فلمیں صرف اس ایک فیصد کے لیے لکھی جاتی ہیں جہاں قاتل ہشیار ہوتا ہے اور اپنا سراغ مٹا لیتا ہے۔ ورنہ ۹۹ فیصد قاتل اتنے ہشیار نہیں ہوتے۔ یہاں کوئی یہ نہیں سوچے گا کہ تالیہ اتنی ذہین تھی تو ثبوت کیوں چھوڑا؟ پولیس یہ سوچے گی کہ چونکہ ہم بہت ذہین ہیں اس لیے ہم نے ایک آرڈر کرنے والے کا کارڈ نمبر حاصل کیا اور بینک سے اس کا نام معلوم کیا تو وہ تالیہ مراد ٹکلی۔ وہ اس کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔“

”یعنی مجھے اپنا نام کلیم کروانے کے بجائے ملک سے فرار ہو جانا چاہیے؟ کیونکہ یہاں کوئی میرا یقین نہیں کرے گا۔“ وہ تلخی سے بولی۔ اس کے انداز میں واضح بے بسی تھی۔

”یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ میں آپ کی رپورٹ نہیں کروں گا کیونکہ آپ اس کیس میں بے قصور ہیں۔“ انہوں نے قاتل

بند کی اور عینک اتار کے رکھی۔ چند لمحے کے لیے اس روشن سنگ دروم میں خاموشی چھائی رہی۔
 ”وان فاتح کے یہ چھ سال کیسے گزرے؟“ اس نے کھڑکی سے باہر دھندلے لان کو دیکھتے ہوئے سوال پوچھا تو احمد
 نظام چمکے۔

”کیا آپ ان سے رابطے میں نہیں ہیں؟“

تالیہ نے گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔ ”میں نے کہا، وقت نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں صرف یہ جانتی ہوں
 کہ وہ دو دفعہ وزیراعظم بن چکے ہیں۔ اور کچھ نہیں۔“

”تو کیا اتنے برس آپ نے نیوزیا ان کا سوشل میڈیا کچھ نہیں دیکھا؟“

”آپ تو دیکھتے رہے ہوں گے۔ آپ بتائیں۔ جب وہ جوکر اسٹریٹ پہ زخمی حالت میں ملے تھے... اس کے
 بعد..... انہوں نے کیا کیا؟“ وہ اب احمد نظام کو دیکھ کے پوچھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

”انہوں نے کچھ عرصے کے لیے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ غالباً عصرہ بیگم کے انتقال کے باعث۔“ وہ یاد کر
 کے ہٹانے لگے۔ ”پھر سننے میں آیا کہ وہ دوستوں رشتے داروں سب سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔ وہ زیادہ وقت اپنے ملاک
 والے گھر میں گزارنے لگے تھے۔ میڈیا پہ آنا چھوڑ دیا۔ کوئی پاپا رازی ان تک پہنچ کے تصویر اتار لانا تو لوگوں کو معلوم ہوتا کہ
 وان فاتح بھی وجود رکھتے ہیں درنہ نہیں۔ مجھے یاد ہے وہ کثرت سے سگریٹ نوشی کرنے لگے تھے۔ ان کی سمندر کنارے
 تصاویر مقرر عام پہ آئی تھیں جن میں وہ بیمار چہرے کے ساتھ سگریٹ پیتے دکھائی دے رہے تھے۔ لوگ کہتے تھے وہ ڈرگز کا
 استعمال بھی کرنے لگے ہیں۔ دواؤں کا بھی شاید۔ لیکن کچھ عرصہ وہ بالکل دنیا سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔“
 اس کی آنکھوں کی نمی آنسو بن کے بہنے لگی۔

”پھر معلوم نہیں کیا ہوا..... وہ سنبھل گئے۔ دوبارہ سے خبروں میں آنے لگے۔ صحت بھی بحال ہو گئی۔ الیکشن قریب آئے تو
 وہ واپس اپنی پارٹی کو سنبھالنے لگے۔ عصرہ کی موت پور وان فاتح کے اس جنگلیں فیر نے ان کو بہت کثیر تعداد میں ہمدردی کے
 دھڑ سے بھی نوازا۔ لوگوں کو ان کی آف شور کمپنی بھول گئی۔ یاد رہی تو وہ سمندر کنارے کھینچی گئی، اس آنکھوں پورلیوں میں
 دبے سگریٹ والی تصویر۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ آدمی ایک بہت بڑے غم سے لکھا ہے۔ لوگوں نے اس آدمی کو اپنا غم گسار سمجھا
 پورا سے دھڑ دیا۔“

”تو کیا انہوں نے لوگوں کے لیے کام کیا؟“

”انہوں نے اچھے کام بھی کیے۔ اور بہت سے اچھے کام نہیں بھی کیے۔ میں ذاتی طور پہ کبھی بھی وان فاتح کا فین نہیں

Downloaded from PakSociety.com

رہا۔ اپوزیشن ان سے ناخوش ہے اور ان کے دوڑز خوش ہیں۔ لیکن یہ تو ہر وزیر اعظم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس سے سب خوش کبھی نہیں ہوتے۔ مگر ان کی تعلیمی پالیسیاں جو اس وقت تھید کا نشانہ بنی تھیں، پانچ سال بعد ان کا پھل لوگوں کو نظر آنے لگا۔ تبھی وہ آج دوبارہ اقتدار میں ہیں۔“

”اور ان کے بچے؟“

”وہ ماں کے انتقال کے بعد امریکہ میں کچھ عرصہ رہے لیکن جب وان فاتح زندگی کی طرف لوٹ آئے تو انہوں نے بچوں کو بھی واپس بلالیا۔ ان کے بچے اب ان کے ساتھ ہی قیام پذیر ہیں۔“

تالیہ تم آنکھوں سے مسکرائی۔

”فاتح اب بھی ویسے ہوں گے۔ اپنے کام سے کام رکھنے والے۔ ضرورت کے تحت چند فخرے بولنے والے۔ ڈائیٹنگ ٹیمیل پہ خاموشی سے ناشتہ کر کے بے نیازی سے اٹھ جانے والے۔ اپنے ہر عمل سے اپنے دوڑز اور فینز کی خوشی چاہنے والے۔ اور....“ اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ”خوبصورت سوہلا میٹس کو ناپسند کرنے والے اور بورنگ پریٹی ویمن کی باتوں کو نظر انداز کرنے والے....“

☆☆=====☆☆

ہترا جایا ملا بیٹیا، کا دار الحکومت ہے۔ یہ کے ایل کے پڑوس میں واقع ہے۔

وزیر اعظم ہاؤس اسی شہر میں تھا اور اسے سری پردھانہ کہتے تھے۔ سری پردھانہ کسی محل سے کم نہ تھا۔ عالی شان، اونچا، خوبصورت۔ لیکن گزشتہ کانی عرصے سے وزرائے اعظم نے سری پردھانہ میں رہائش ترک کر رکھی تھی۔ اس میں غیر ملکی حکمرانوں کی مہمان نوازی ضرور کی جاتی تھی اور وزیر اعظم اور کابینہ ممبران کے دفاتر بھی یہیں تھے، لیکن اب وزرائے اعظم یہاں رہائش نہیں کرتے تھے۔

وان فاتح اور اس سے پہلے صوفیہ رحمن.... سب نے اپنی رہائش الگ رکھی تھی کہ اب اپنے حقوق سے آگاہ Millennials اور جرنیشن زی کا دور آچکا تھا جن کے لیے دکھاوے کی چیزیں بہت اہمیت رکھتی تھیں۔ سری پردھانہ کو عوام کے لیے کھول دیا گیا تھا۔ عید اور دوسری سرکاری چھٹیوں میں لوگ سیر و تفریح کے لیے اس محل کے ایک حصے کا دورہ کر سکتے تھے۔

وان فاتح کی اپنی رہائش گاہ ہترا جایا میں واقع تھی۔ وہ دو منزلہ، بگھلے تھا جس کے چاروں طرف سبزہ زار تھا۔ اس کی فصیل اونچی چار دیواری کی شکل بنائی گئی تھی جہاں سکیورٹی سخت نظر آتی تھی۔

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

اس صبح گیٹ سے ایک کار داخل ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ سفید کار کی کھڑکی سے ایک نسوانی ہاتھ آئی ڈی کار ڈسکیورٹی آفیسر کو دکھا رہا تھا۔ آفیسر نے رسماً آئی ڈی دیکھی اور مسکرا کے سر کو خم دیا۔ پھر ایک ڈیوائس سامنے کی تو نسوانی ہاتھ نے ایک انگلی اس پہ رکھ دی۔ ہر اسٹپل بجا تو آفیسر نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اس مہمان سے واقف تھا۔ کار آگے بڑھ گئی تو آفیسر ہاتھ میں پکڑے آگے لے میں بولا۔

”مسز بیٹا تاج آچکی ہیں۔“

کار بیٹلے کے داخلی حصے کے عین سامنے آرکی۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک عورت باہر نکلی۔ اس نے لمبی اسکرٹ پہ سفید کوٹ پہن رکھا تھا۔ گردن میں پھولدار رومال لپیٹا تھا۔ شہدرنگ ہال کندھوں تک آتے تھے۔ وہ صاف رنگت کی دراز قد اور خوبصورت عورت تھی۔ کہنی پہ بیگ اور ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔ کار سے نکلنے ہوئے اس نے سن گلاسز اوپر ماتھے پہ ٹکائیں اور دروازے پہ کھڑے گاڑڈ کو مسکرا کے سلام کرتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

بیٹلے کے اندر ایک خوبصورتی سے آراستہ ڈائیننگ ہال تھا۔ طویل میز کی سربراہی کرسی پہ فاتح بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ ساتھ ہی موہائل دیکھ رہا تھا۔ وہ سیاہ سوٹ اور ٹائی کے ساتھ سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ چہرہ ہمیشہ کی طرح تروتازہ تھا اور گیلے ہال دائیں جانب موڑ رکھے تھے۔ فاتح کے دائیں ہاتھ اشعر کرسی کھینچ رہا تھا۔ باقی تمام کرسیاں خالی تھیں۔

”بچے کہاں ہیں؟“ اس نے خالی کرسیوں کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”سکندر صبح جلدی چلا گیا تھا۔ جولیا نہ کا اسکول ٹپ تھا۔ وہ شام کو واپس آئے گی۔“ فاتح موہائل دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اشعر نے جھرجھری سی لیتے ہوئے پلیٹ اپنی طرف کی۔

”آپ نے کل انٹرویو میں تھوڑی سخت باتیں کہہ دی ہیں۔ مجھ سے ناراض اراکین کے فون آرہے ہیں۔“

”میں نے عرصہ ہوا لوگوں کی پرواہ کرنی چھوڑ دی ہے۔ نہ دوئرز کی نہ اپنے اراکین کی۔ میں پردھان منتری ہوں اور وہ نہیں ہیں۔ ملک مجھے چلانا ہے انہیں نہیں۔“ وہ بے نیازی سے ناشتہ کر رہا تھا۔

اشعر نے شانے اچکا دیے۔ ”خیر میں نے فون آف کر دیا ہے۔ شاید چند سال بعد لوگ احساس کر لیں کہ ہم ان کے لیے کتنی جان مارتے ہیں۔“

وان فاتح نے صرف شانے اچکا دیے۔ ”نہ بھی کریں تو کیا۔“

جمل کی ٹک ٹک سنائی دی تو فاتح نے چہرہ اٹھایا۔ دربان نے دروازہ کھول دیا تھا اور باہر سے کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے چہرہ واپس نہیں جھکایا۔ وہ راہداری کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ آواز قریب آئی اور وہ بالآخر نظر آئی۔

”السلام علیکم“ داتو سری۔ سلام! اشعر صاحب۔“ وہ مسکراتی ہوئی ان کے سامنے آرکی۔ اس کے سیاہ جوتے اتنے چمکدار تھے کہ چھت کا عکس نظر آتا تھا۔ وہ یوں ر کے تھے جیسے دوبارہ چلنے کو بے تاب ہوں۔

”وعلیکم السلام، یثا۔ کیسی ہیں آپ؟“ قاتح نے مسکرا کے جواب دیا۔ اشعر نے بھی اسی کے اعماز میں مسکرا کے جواب دیا۔

”میں ٹھیک ہوں“ داتو سری۔ ”سر کو تعظیماً جھکا کے وہ بولی اور پھر مسکرا کے مڑی۔ ”ایکسیو زی۔“

”جولیانہ گھر پہ نہیں ہے یثا۔“

سیاہ جوتے واپس گھومے۔ یثا کے چہرے پہ الجھن در آئی۔ ”جولیانہ نہیں ہے؟“

”نہیں۔ آج اس کا اسکول ٹرپ تھا۔ اس نے آپ کو انعام نہیں کیا؟“ اس نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے نرمی سے دریافت کیا۔

”نہیں۔ حیرت ہے۔“ یثا نے فون نکالا۔ اسکرین پہ انگلی پھیری۔ پھر چونک کے سر اٹھا کے دیکھا۔ میز پہ موجود دونوں افراد سے ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ جھینپ گئی۔

”سوری میں نے آپ لوگوں کو ڈسٹرب کر دیا۔“ لب دانت سے کانٹے ہوئے اس نے اسکرین دیکھی۔ پھر اس کے گال سرخ ہوئے۔ ”جولیانہ نے لیٹ نائٹ میسج کیا تھا۔ میں نے نہیں دیکھا۔ مائی فالٹ۔“

”جولیانہ کو کال کر کے بتانا چاہیے تھا۔ غلطی اس کی ہے۔“ قاتح نیکیں سے ہاتھ پوچھتے ہوئے بولا۔ وہ ایک دفعہ پھر سے معذرت کر کے ایڈیوں پہ اپنی گھومی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ راہداری عبور کی اور مرکزی دروازے تک آئی اور دربان کے پاس رکی۔

”اف.... دالش.... اف.... آپ نے مجھے دروازے پہ ہی کیوں نہیں بتا دیا کہ جولیانہ کو آج نہیں پڑھانا؟“ ماتھے کو چھوتی وہ خفت سے کہہ رہی تھی۔

”میں نے سوچا تھا لیکن دخل دینا مناسب نہیں سمجھا۔“ وہ سادگی سے مسکرا دیا۔

”یا اللہ۔ مجھے داتو سری کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔ حد ہے یثا۔“ ماتھے کو پھر سے چھوا اور اسے خدا حافظ کہتی باہر نکل گئی۔

باہر کھڑے دوسرے دربان کو بھی اسی پریشان چہرے کے ساتھ ہاتھ ہلایا۔ اس نے بھی مسکرا کے سر کو خم دیا۔

وہ سب یثا کے عادی تھے۔ یثا کی باتوں، یثا کی عادتوں سے واقف تھے۔

”یہ جولیانہ کی ہوم ٹیوٹر یثا.... یہ اچھی عورت ہے۔ ہے نا؟“ اشعر نے پھل کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے بظاہر سرسری سا کہا اور غور سے قاتح کو دیکھا۔ وہ اب چائے کے آخری گھونٹ بھر رہا تھا۔

”ہاں۔ بہت قابل ہے۔ دو سال سے جولیانہ کو پڑھا رہی ہے۔ اس کی وجہ سے جولیانہ کا اعتماد بحال ہوا ہے۔ ورنہ تم تو جانتے ہو اس نے چھوٹی عمر سے اسکول چھوڑ دیا تھا۔“

”ہوم اسکولنگ اس آگئی ہماری جولیانہ کو۔ شکر ہے۔“ اشعر نے گہری سانس لی۔ ”وہ اسکندر جیسی نہیں تھی۔ ہر طرح کے بچوں کے ساتھ گھل مل کے نہیں پڑھ سکتی تھی۔ پھر کاکا کی موت نے بھی شاید اسے ایسا کر دیا تھا۔ مگر یہ ٹوٹا.... یہ مجھے بہت پسند ہے۔ اس کی وجہ سے گھر میں رونق لگ جاتی ہے۔“

”ہاں۔ بیاچھی لڑکی ہے۔ سادہ اور خوش اخلاق۔ اس کی بیٹی جولیانہ کی کلاس فیلو ہے۔“

”سب اس کو سز کہتے ہیں۔ مگر میں نے کبھی اس کا شو نہیں دیکھا۔“

”غالباً اس کی شادی ختم ہو گئی تھی۔ جولیانہ نے بتایا تھا۔ تم اتنے تجسس کیوں ہو؟“ قاتح نے مسکرا کے اسے دیکھا۔ ”کیا دوسری شادی کا ارادہ ہے؟“

اشعر نے ابرو اکٹھے کر لیے۔ ”کیا میں ایک تجربہ کر کے بھگت نہیں رہا۔ میری ایکس وائف میرے بیٹے سے مجھے ملنے تک نہیں دیتی۔ وزنگ آؤز مائی فٹ۔“ اس نے نینکوں گول گول کر کے پرے پھینکا۔ ”کل اسکی سالگرہ ہے۔ جانتے ہیں کتنی مشکل سے ہم دونوں نے ایک میز پر اکٹھے بیٹھ کے پارٹی پلانرز کے ساتھ کام کیا ہے؟“

”ریلیکس۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہارا بیٹا بڑا ہو گا تو اس سے ملنا آسان ہو جائے گا۔“ وہ کرسی دھکیل کے کھڑا ہوا اور کوٹ کاٹن بند کیا تو اشعر بھی ساتھ ہی اٹھا اور گہری سانس لے کر سنجیدگی سے قاتح کو دیکھا۔

”میں آپ کے لیے کہہ رہا تھا، آجنگ۔ اب تو آپ کے بچے بھی بڑے ہو چکے ہیں۔ آپ کو کسی نہ کسی عورت کے بارے میں سوچنا چاہیے۔“

”یہ طے ہے کہ ہر دوسرے تیسرے ماہ بعد تم اس ٹاپک کو ضرور چھیڑو گے۔“ وہ مسکرا کے بولا تو اشعر بھی مسکرا دیا۔

”آجنگ۔ ہم نے اتنے برسوں سے ایک ساتھ کتنے کٹھن دریا عبور کیے ہیں۔ اب ہم ہموار زمین پہ آ چکے ہیں۔ آپ کو اب ایک بیوی کی ضرورت ہے۔ کب تک کام میں خود کو مصروف رکھیں گے۔“ پھر اشعر نے راہداری کی طرف دیکھا جہاں سے وہ گئی تھی۔ ”اگر کوئی سادہ، نیچرل اور اچھی سی عورت ملے تو اس کے بارے میں سوچنے کا ضرور۔“ اس نے خلوص سے کہا تھا۔ قاتح نے مسکرا کے سر ہلادیا۔

”میں سوچوں گا۔“ اس کے چہرے پہ کوئی سایہ کوئی یاد کچھ نہ تھا۔ وہ بالکل مطمئن اور اپنی زندگی سے قانع لگتا تھا۔ اشعر کے لیے اس کی یقین دہانی نئی تھی۔ وہ مسکرا دیا اور پھر دونوں ایک ساتھ دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

لاؤنج عبور کرتے ہوئے فاتح نے کٹڑکی کے باہر بھیکتے منظر نامے کو دیکھا اور سوچا..... آج ہترا جایا میں ہر دوسرے روز کی طرح ہارش شروع ہو چکی تھی۔ اور دھینا کے ایل میں بھی۔

☆☆=====☆☆

احمد نظام کے مہمان خانے کی کٹڑکی سے نظر آتا سبزہ زار ہنوز ہارش میں بھیگ رہا تھا۔ پانی نے کٹڑکی کے شیشے کو دھندلا دیا تھا۔ وہ ابھی تک باہر دیکھ رہی تھی اور وہ اسے۔

”کیا انہوں نے دوبارہ شادی نہیں کی؟ یا ان کی زندگی میں کوئی اور عورت نہیں آئی؟“ وہ باہر دیکھتے ہوئے بڑبڑاتی۔

”نہیں۔ اشعر کی بیوی واحد عورت تھی جو فیملی فوٹوز میں نظر آنے لگی تھی لیکن اشعر اور اس کی علیحدگی کے بعد وہ بھی منظر سے ہٹ گئی۔ وان فاتح اپنے بچوں اور اشعر کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔“ انہوں نے موبائل نکال کے چند ٹن دہائے پھر اسکرین کا رخ اس کی طرف کیا۔ وہ جھک کے دیکھنے لگی۔ فاتح کے کسی فین پیج کی تصاویر سامنے کھلی تھیں۔ یہ پچھلے برس کی تھیں۔ جولیانہ کی سالگرہ کا ایک کانٹا جا رہا تھا۔ فاتح، سکندر اور اشعر کے علاوہ وہاں صرف کم عمر لڑکیاں تھیں جو دھینا جولیانہ کی سہیلیاں تھیں۔

البتہ ایک عورت ان سب میں نمایاں تھی۔ اس نے سر پہ ترچھا ہیٹ پہن رکھا تھا اور مسکرا کے تالی بجارہی تھی۔

”یہ عورت کون ہے؟“ اس نے انگلی سے اسکرین کی طرف اشارہ کیا تو احمد نظام نے موبائل اپنی طرف موڑا۔

”یشا تاج۔ یہ جولیانہ فاتح کی ہوم ٹیوٹر ہے۔ چند سالوں سے ان کی فیملی کا حصہ ہے۔ اس کو دو چار دفعہ میں نے ان کی فیملی فوٹوز میں ہی دیکھا ہے۔“

تالیہ پتلیاں سکوڑے غور سے اس عورت کا خوبصورت چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال بہت خوبصورتی سے اسٹائل کیے گئے تھے۔ کندھوں تک آتے شہد رنگ کے بال... کانوں میں ننھے ہیرے.... سفید اسکرٹ کے اوپر نیلا منی کوٹ.... اور مسکراتے ہوئے گال میں پڑنے والا معصوم سا ڈھیل.....

”یہ کیا کرتی ہے؟ ٹیوٹر ہونے کے علاوہ؟“ پھر نظریں اٹھا کے انہیں دیکھا۔ ”ایک منٹ.... یہ آرٹسٹ ہے نا؟“

”اس کی لکڑ ان پر وقائل چیک کر لیں۔“ کہنے کے ساتھ انہوں نے موبائل پہ چند ٹن دہائے۔ پھر پڑھ کے بتانے لگے۔ ”جی۔ یہ ایک آرٹسٹ ہے۔ پینٹ بھی کرتی ہے اور فوٹو گرافی بھی۔ اس کی ایک دو نمائشیں بھی ہو چکی ہیں۔ کیا آپ اسے جانتی ہیں؟“

”ہوں۔ میں اسے پہچانتی ہوں۔ معروف سوشل میڈ۔ آرٹسٹ۔ خوش اخلاق۔ ذہین۔ غیر شادی شدہ۔“ پھر رکی

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

اور جیسے فصیح کی۔ ”نہیں۔ اس کی شادی ہو چکی ہے۔ بلکہ علیحدگی بھی ہو چکی ہے۔“

”اگر آپ اس کو جانتی ہیں تو اس کے توسط سے دان قاتح سے ملاقات کر سکتی ہیں۔“

”میرا خیال تھا آپ بھی اس کو جانتے ہوں گے۔“ وہ جیسے حیران ہوئی تھی۔

”نہیں۔ میں نے اس کو سوشل میڈیا پہ ہی تھوڑا بہت دیکھا ہے۔ میں اسے کیسے جانوں گا؟ میں ٹھہراؤ ل کلاس آدمی اور یہ

خاتون ایلٹ کلاس سے تعلق رکھتی ہیں۔“ وہ اس کی حیرت پہ حیران ہوئے تھے۔ ”لیکن آپ چھ سال کے لیے اس ملک سے

دور تھیں۔ آپ ان کو چھ سال پہلے سے جانتی ہیں کیا؟“ وہ تجسس ہوئے۔

”ایلم کیسا ہے؟ ایلم بن محمد؟“ وہ اس کا سوال نظر انداز کر گئی۔

”وہ ہنکر؟“

”جی۔ وہ میرا بہت اچھا دوست تھا۔“ وہ مسکرا کے بولی تو احمد نظام چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔ ان کی نظروں میں کچھ تھا جو

اس کا ماتھا ٹھنکا۔

”ایلم کے بارے میں کیا جانتے ہیں آپ؟“

”آپ نے پھر کبھی اس سے رابطے کی کوشش نہیں کی؟“

”نہیں۔ کیوں؟“

”میں اس سے صبرہ محمود کی موت کے بعد ایک دو دفعہ ملا تھا جب میں اپنے تئیں اس کیس کی تحقیق کر رہا تھا۔ اور تب ہی

مجھے معلوم ہوا تھا اس کے حادثے کا۔“

”کیسا حادثہ؟“ وہ سیدھی ہو کے بیٹھی۔

”جب دان قاتح زخمی حالت میں ملے تھے جو کمراسٹر ہیٹ پہ.... اس کے اس پاس کی بات ہے.... ایلم ملا کہ کے ایک

ہسپتال میں داخل رہا تھا۔ کچھ لوگ اسے نیم بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال لے کر آئے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ نہیں جانتا وہ

جو کمراسٹر ہیٹ تک کیسے پہنچا۔ اس کی یادداشت متاثر ہوئی تھی۔“

”یادداشت؟“ وہ ہلکے جھپکنا تک بھول گئی۔ اس کا سانس رک گیا۔

”جی۔ اس کو پچھلے چند ماہ کے واقعات بھول چکے تھے۔ کوئی ذہنی صدمہ تھا یا کیا۔ اس کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ ایک

سیلیبرٹی رپورٹر بن چکا ہے۔ اسے بس اتنا یاد تھا کہ وہ دان قاتح کے گھبراؤی مین بن کے گیا تھا۔ اس کے بعد کے تمام

واقعات ذہن سے محو ہو چکے تھے۔ عجیب بات ہے۔“

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”اسے... اسے سب بھول گیا تھا؟“ وہ فکر کران کود کھڑی تھی۔

”اس نے اپنے بیان میں یہی کہا تھا۔ ہانگ کانگ پھر اس کو کیسے ملے اسے یہ تک معلوم نہ تھا۔ میں اس سے آپ کے سلسلے میں ملا تھا۔ پولیس نے بھی بار بار اس سے آپ کے لیے رابطہ کیا تھا لیکن اس کا کہنا تھا کہ وہ کسی تالیہ مراد کو نہیں جانتا۔ البتہ وہ یہ جانتا چاہتا تھا کہ یہ تالیہ مراد کون تھی جس کے بارے میں ہر کوئی اس سے سوال کرتا تھا۔ وہ کافی عرصے تک تھیرا پی کروا تا رہا تھا۔ پھر بالآخر وہ تندرست ہوا اور واپس رپورٹنگ کی طرف آ گیا۔“

”کیا اس کی یادداشت واپس آئی؟“ اس نے بے قراری سے پوچھا۔

”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے نہیں آئی۔ جب وہ واپس رپورٹنگ کی طرف آیا تو بہت ڈسٹرب لگتا تھا۔ وہ کسی کو نہیں پہچانتا تھا۔ ہانگ کانگ پھر اس کی شہرت کامیابی دو کتابوں کی تصنیف سب ختم ہو گئی۔ اس زمانے میں اس نے کئی انٹرویوز میں یہ بات کہی تھی۔ وہ ایک رات ہاڈی مین تھا اور اگلی صبح وہ جاگاتو لوگوں نے کہا وہ رپورٹر ہے۔ لیکن چونکہ وہ پین لڑکا تھا۔ کام اور ماحول کے ساتھ ایڈیٹ کر گیا اور آج دیکھو وہ کہاں پہنچ گیا ہے۔“

وہ گم سم سی ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ”ہو سکتا ہے وہ جھوٹ بول رہا ہو۔ اداکاری کر رہا ہو۔“

”جب اس نے آپ کو پہچاننے سے انکار کر دیا تو میں نے بھی یہی سمجھا۔ پولیس نے بھی یہی سمجھا۔ لیکن ڈاکٹر ز کا کہنا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس کے کئی ٹیسٹ ہوئے تھے۔ پولیس کا خیال تھا کہ شاید یہ آپ کے کیس سے بچھا چھڑانے کے لیے ایسا کہہ رہا ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا۔“

”نہیں۔ وہ مذاق کر رہا ہوگا۔“ وہ زرد پڑتے چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ ”وہ مجھے نہیں بھول سکتا۔ وہ... وہ

تمام دن... نہیں بھول سکتا۔“

احمد نظام نے انہیں سنا سے دیکھا۔ ”یا شاید آپ یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ وقت آگے بڑھ گیا ہے اور لوگ بھی۔“

تالیہ نے کپٹی کو انگلی سے مسلتے ہوئے چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ لیا۔ ساتھ ہی مسلسل نفی میں گردن ہلا رہی تھی۔

”میں نے کہا نا... وہ اداکاری کر رہا ہوگا۔ وہ مجھے نہیں بھول سکتا۔ نہ وہ بدل سکتا ہے۔“ اس کی نظریں باہر اگے گھاس

پہ جچی تھیں۔ ”وہ اب بھی ویسا ہی ہوگا۔ کتابیں پڑھنے والا۔ کتابیں اس کی بہترین دوست ہوں گی۔ وہ ان میں پناہ ڈھونڈتا

ہوگا۔ ان سے سارے مسئلوں کے حل مانگتا ہوگا... وہ اب بھی ویسا ہی ہوگا...“

☆☆=====☆☆

ایڈم بن محمد کا پارٹنر ایک شیشوں سے ڈھکی طویل قامت عمارت کی بالائی منزلوں میں سے ایک میں تھا۔ لاؤنج کی شیشے

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

کی دیوار سے دور تک شہر صاف دکھائی دیتا تھا۔ اسٹڈی روم میں اس کی کرسی کے پیچھے بھی شیشے کی دیوار تھی۔ کرسی پہ ایڈم بیٹھا تھا اور کی بورڈ کو دیکھے بغیر اسکرین پہ لگا ہیں مرکز کیے ٹائپ کر رہا تھا۔

ایڈم کے دائیں بائیں دونوں اطراف میں کتابوں کے رکیں رکھے تھے۔ کچھ رکیں اونچے تھے۔ کچھ نیچے تھے۔ کچھ سیڑھیوں کی مانند ایک طرف سے چھوٹے ایک طرف سے اونچے تھے۔ اس ڈیزائن کے باعث اسٹڈی کے وسط میں کھڑے ہو کے تمام رکیں نظر آتے تھے۔

سامنے کاؤچ رکھے تھے جن پہ مہمان بیٹھ سکتے تھے۔ وہ ہیں دروازہ بھی تھا۔ وہ گا ہے بگا ہے نگاہ اٹھا کے دروازے کو دیکھ لیتا پھر واپس کام کرنے لگ جاتا۔ سیاہ بانی نیک شرٹ پہنے ماتھے پہ ہال نکھیرے، ہلکی بڑھی شیو والا ایڈم بن محمد پہلے سے زیادہ پرخش ہو چکا تھا۔

”ہاس۔“ دروازہ کھلا اور ایک چھنی نقوش کی حامل لڑکی اندر داخل ہوئی۔ اس کا قد درمیانے سے ذرا چھوٹا تھا اور ہالوں کا بوائے کٹ تھا۔ کانوں میں گول سلور ہالیاں تھیں۔ اس نے ٹھک ٹھک دوڑہ کھٹکھٹایا، مسکرائی اور بیک وقت بہت سی چیزیں سنبالتی تیزی سے اندر آئی۔

”فلائیٹ کیسی رہی تمہاری، صوفی؟“ وہ ٹائپ کرتے ہوئے خوشگوار انداز میں بولا۔ لڑکی افسوس سے سر جھکتی آگے آئی اور جلدی سے کپاس کے سامنے رکھا۔

”آپ کی آسٹڈ امیریکا نو۔“ اس نے لہسا سا کپ ایڈم کے سامنے رکھا جس پہ سیاہ قلم سے ”رائٹر“ لکھا تھا۔

”تھینک یو۔ اور کیسے تھے افریقہ کے جنگلات جہاں سے تم کافی لانے گئی تھیں۔“

”اگر آپ مجھے ایک ساتھ بہت سے کام نہ تھمایا کریں تو مجھے اتنی دیر نہ لگا کرے۔“ بوائے کٹ والی لڑکی اس کے طنز کو نظر انداز کر کے قہقہے سے بولی۔ ”یہ رہے آپ کے پرنٹ آؤٹس۔ یہ آپ کا ریسیرچ ڈیٹا۔ یہ نئے وزیٹنگ کارڈز کا سیکل۔“ اس نے ہاری ہاری کانغذوں کے چند پلندے سامنے رکھے۔ اب بغل میں صرف ایک پھولا ہوا پیکٹ دہار رکھا تھا۔ پھر سیدھی ہوئی اور گہری سانس لی۔ ”آپ کو آفس جانے سے پہلے کچھ اور چاہیے؟“

ایڈم نے ہانپتنگ روک کے چھت کو دیکھا۔ ”دو تین چیزیں چاہیے ہیں لیکن سوچ رہا ہوں کہ وہ قریبی ممالک سے مل سکیں گی یا نہیں۔“ اور پھر آنکھیں گھما کے ایک ناراض نظر اس پہ ڈالی اور واپس ٹائپ کرنے لگ گیا۔

”گڈ۔ اگر ملا بیٹیا سے کچھ نہیں لانا تو مجھے آج آف دے دیں۔“

ایڈم نے آنکھیں گھما کے اسے دیکھا تو اس نے دو تین دفعہ پلکیں جھپکائیں۔ ”ہاس آج میری فرینڈ کی برتھ ڈے ہے۔“

Downloaded from PakSociety.com

میں آپ کے ساتھ آفس نہیں جاسکوں گی۔“

”کون اتنی صبح برتھ ڈے مناتا ہے؟“

”اور آپ اتنی صبح کب سے آفس جانے لگے؟ دوپہر میں ہی جائیں گے۔ اتنا قاصد ہے ریسٹوران تک۔ اور مجھے لُچہ

پہننا ہے وہاں۔“

ایڈم نے آفس سے سر جھٹکا اور واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہوا۔ ”تم ہر ہفتے کسی نہ کسی بہانے سے چھٹی لے لی

ہو۔“

”میرے نہ ہونے سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ آپ کو بار بار چائے کافی نہیں ملے گی۔ اور آپ لکھ نہیں سکیں گے۔ تو

خیر ہے۔ ویسے ہی آپ رائٹرز بلاک کی وجہ سے کتنے ہی ہفتے سے نہیں لکھ رہے۔“ وہ مسکراہٹ دہائے بک ریک کی طرف بڑھ

گئی تو ایڈم بن محمد نے تلملا کے اسے دیکھا۔

”رائٹرز بلاک کے بارے میں ایک لفظ نہیں‘ صوفی۔ جس کو لکھنا نہیں آتا وہ اس بارے میں کوئی رائے نہ دے تو اچھا

ہے۔“

”مجھے معلوم ہے آپ کتنے دنوں سے نئی کتاب نہیں لکھ رہے۔ بس یہ چھوٹے موٹے آرٹیکلز لکھتے رہتے ہیں۔ مگر

خیر.... چمپالیں۔ بے شک چمپالیں۔“ ریک کے ساتھ کھڑی صوفی اس کی طرف پشت کیے پکٹ کھولنے لگی۔

”آپ نے جو کتابیں آرڈر کی تھیں وہ آگئی ہیں۔“ رہبر اتارتے ہوئے اطلاع دی۔

”میں نے کی تھیں؟“ وہ ہنوز تپ کر رہا تھا۔

”یعنی کہ میں نے آپ کے امیزون اکاؤنٹ سے کی تھیں آرڈر؟“ یہ اس سال کی مین بکس پر ان کی شارٹ لسٹ کردہ

پانچ کتابیں ہیں۔ اور بطور رائٹر آپ کے لیے مہینے میں دس نئی کتابیں پڑھنا ضروری ہے۔“ اس نے ریپر ڈسٹ بن میں

اچھالا اور نئی کھود پانچ دہائی پتلی کتابیں الٹ پلٹ کے دیکھیں۔ پھر ناک کے قریب لے جا کے آنکھیں بند کیے نہیں ہونگھا۔

نئی کتاب کی مہک امداد تک دوح کو سرشار کر گئی۔

”اچھا۔ رکھ دو۔ ٹھیکس۔“ وہ کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

”رکھ دوں گی۔ ہر ہفتے ان کی ڈسٹنگ بھی کروں گی۔ لیکن نہ کبھی یہ جگہ سے ہلیں گی۔ نہ ان کے کونے مڑیں گے۔ جب

کتاب کا مالک کتاب کو پڑھے ہی نہ تو یہ سب کیسے ہوگا۔“ ان کو ریک میں سجاتے ہوئے شکایتی انداز میں بولی۔

”اب تک مجھے تمہاری تقریریں یاد ہو چکی ہیں جو تم نیا بک آرڈر موصول ہونے پہ کرتی ہو صوفی۔“

Downloaded from PakSociety.com

صوفی نے ٹھک سے کتابیں اندر گھسائیں اور اس کی طرف کھوی۔ اس کی ہالیاں بھی ساتھ ہی کھوئیں۔

”کتابیں پڑھنے کے لیے ہوتی ہیں؟ اس۔ اتنی بڑی لائبریری میں سجا کے انٹرویوز پہ دکھاوے کے لیے نہیں۔“

”میں کیا کروں صوفی۔ مجھے وقت نہیں ملتا۔“ اس نے لکھتے ہوئے شانے اچکائے۔

”مگر آپ کو سوشل میڈیا اسکرول کرنے کے لیے وقت مل جاتا ہے۔ آپ کو ویڈیو گیمز کھیلنے کے لیے وقت مل جاتا ہے۔ دوستوں کے ساتھ ہاربی کیو کرنے اور پارٹیز اٹینڈ کرنے کے لیے وقت مل جاتا ہے۔ ٹھیک۔ ٹھیک۔“

”لے لو بھی تم چھٹی۔ جاؤ پلیز۔ مجھے کام کرنے دو۔“ وہ ناک سکوڑ کے بولا اور سر جھٹک کے تیز تیز ٹاپ کرنے لگا۔

”جار ہی ہوں۔ لیکن ویک اینڈ پہ ان کو پڑھیے گا ضرور۔ رات میں سونے سے پہلے بے شک ایک صفحہ۔۔۔“

”تمہیں اگلے دو دن کی چھٹی بھی چاہیے؟“ نظریں اٹھا کے گھبرا۔ اسی وقت صوفی کا فون بجنے لگا۔

”جار ہی ہوں۔“ ہوائے کٹ والی اسٹنٹ سر جھٹک کے باہر نکل گئی۔ اس نے کافی کا کپ لبوں سے لگایا، کھنٹ بھرا اور مسکرا کے دوبارہ سے لکھنے لگ گیا۔

کتابیں خاموشی سے اسے کام کرتے دیکھتی رہیں۔

☆☆=====☆☆

وہ اب بھی باہر لان کے غم گھاس کو دیکھ رہی تھی۔ یا شاید آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔ ہارٹ تھم چکی تھی لیکن تاریک ہاؤس ہنوز چھائے تھے۔

”ایلم۔۔۔ وہ اب بھی ویسا ہوگا۔ شاید۔“ چند ثانیے خاموشی سے بیت گئے۔ پھر اس نے چہرہ ان کی طرف موڑا۔

”کیا میں کسی طرح وان فاتح سے مل سکتی ہوں؟ کیا آپ کو شش کر سکتے ہیں؟“

سامنے بیٹھے احمد نظام نے کندھے ہلکے سے اچکائے۔ ”پردھان منتری سے ملنا اس ملک میں سب سے مشکل کام ہے۔ اپائنٹمنٹ کے لیے مہینوں کا پراسیس ہے اور پھر درخواست رجسٹرڈ ہو جاتی ہے۔ پی ایم کے گروہیکوریٹی اور پروٹوکول کی بہت سی دیواریں ہیں جن کو پھلانگنا میرے قد سے اوپر کی بات ہے۔“

”میں سمجھ سکتی ہوں۔ لیکن کیا آپ مجھے ایلم بن مجھ سے ملوا سکتے ہیں۔“

”وہ بھی ایک سلیمہ بیٹی ہے۔ عام جگہوں پہ نہیں جاتا۔ کافی شاہیں ریسٹورانوں تک میں اسے ڈھونڈنا ناممکن ہے۔ لیکن میں اس سے اپائنٹمنٹ لینے کی کوشش کر سکتا ہوں کیونکہ میں اس کی سیکرٹری کو جانتا ہوں۔ وہ میری بھانجی کے ساتھ پڑھتی تھی۔“ انہوں نے موبائل پہ ایک نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔ ”امید ہے وہ میرا فون اٹھا لے گی۔“

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”داؤ۔ اب مجھے ایڈم سے ملنے کے لیے اپنا ٹکٹ لیتی پڑے گی۔“ اس نے دل میں سوچا لیکن بولی کچھ نہیں۔ منتظر نظروں سے نہیں دیکھتی رہی۔

”صوفی... کیسی ہیں آپ؟ میں احمد نظام ہات کر رہا ہوں۔“

”میں ٹھیک ہوں۔ جی میں نے آپ کا نمبر پہچان لیا تھا۔“ اسپیکر آن تھا اس لیے وہ سن سکتی تھی۔

”صوفی... مجھے ایڈم بن محمد سے ملنے کا وقت چاہیے۔ دراصل....“ انہوں نے تالیہ کو دیکھا جو سانس روکے بیٹھی تھی۔ ”ان

سے کہہ دیں کہ تالیہ مرادان سے ملنا چاہتی ہیں۔“

”لو ہو۔ میں تو ابھی ان کے گھر سے نکل رہی ہوں۔ ایک منٹ۔ میں واپس جاتی ہوں۔“ گہری سانس لے کر

بولی۔ ”صرف آپ کے لیے۔ یاد رکھیے گا۔ اور تالیہ مراد کون ہیں؟“

”وہ پہچان جائیں گے۔ میں ہولڈ پہ ہوں۔ بہت شکریہ۔“ انہوں نے حوصلہ افزا مسکراہٹ سے تالیہ کو دیکھا لیکن وہ بالکل

دم سادھے بیٹھی رہی۔

تھوڑی دیر بعد صوفی کی ہانپتی ہوئی آواز اسپیکر میں گونجی۔ ”وہ پوچھ رہے ہیں کہ عصرہ محمود کے قتل کیس والی تالیہ مراد؟“

تالیہ کا دل ڈوب کے ابھرا۔ کیا اب یہی تعارف رہ گیا تھا دونوں کے درمیان؟

”جی ہوی۔“

”لو کے اور ان کو کس سلسلے میں ملنا ہے؟“

تالیہ بالکل چپ بیٹھی رہی۔ اس کا چہرہ تاریک ہو رہا تھا۔ پھر اس نے فون ان کے ہاتھ سے لیا۔

”دیکھیے مس صوفی.... میرا کیس نئے سرے سے کھلنے جا رہا ہے۔ میڈیا اس کو کور کرے گا۔ لیکن میں اپنی اسٹوری صرف

ایڈم بن محمد کو بتانا چاہتی ہوں۔ Exclusive scoop۔ پی ایم کی بیوی کا قتل کیس ہے یہ۔ آپ سوچ لیں۔ اگر آپ کے

باس میری کہانی لکھنا چاہیں تو مجھے ملاقات کا وقت دے دیں ورنہ میں کسی اور سے رابطہ کر لوں گی۔“

”لو کے دہشت دہشت۔“ وہ خالصتاً کسی اننگر کی سیکرٹری کی طرح جلدی سے بولی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ غالباً وہ فون میوٹ

کیے پیچھا پنے ہاس سے ہات کر رہی تھی۔ پھر اس کی آواز گونجی۔

”آج تو ایڈم صاحب معروف ہیں۔ لیکن کل شام میں ہم مل سکتے ہیں۔ میں جبکہ آپ کو ٹیکسٹ کر رہی ہوں۔ لیکن مجھے

گارنٹی چاہیے کہ تالیہ مراد سب سے پہلے ہمیں انٹرویو دیں گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ....“ صوفی کے ساتھ معاملات طے کرنے

میں چند منٹ لگے۔ فون بند ہوا تو وہ پھر سے کمر کی کے ہا ہر دیکھنے لگی۔ اسے جیسے چپ لگ گئی تھی۔

”میں نے کہا تھا نا۔ وہ آپ کو نہیں پہچانتا۔ اگر وہ اداکاری کر رہا ہوتا تو کہتا، کون تالیہ مراد۔ لیکن اس کو یاد تھا کہ اس کی یادداشت کھونے کے بعد اس سے آپ کے بارے میں پوچھا جاتا تھا۔ اس لیے اس نے اتنا کہا جتنا اس کو یاد تھا۔“

”یعنی اب میری پہچان صرف عصرہ محمود کی قاتل کی حیثیت سے کروائی جائے گی۔ واہ۔“ وہ فطرس سے کہتی اٹھی۔ ”وہ قتل جس کے لیے میرے پاس کوئی وجہ نہیں تھی۔“

اور پھر وہ اپنے الفاظ پہ خود ہی چوکی۔

”آپ نے کہا تین چیزیں اہم ہوتی ہیں۔ ثبوت۔ آگ قتل۔ اور motive (قتل کا سبب)۔ ثبوت اور آگ قتل پولیس کے پاس ہیں لیکن ”وجہ“ کوئی نہیں ثابت کر سکا۔ میں آخر عصرہ محمود کا قتل کیوں کروں گی؟“

احمد نظام نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ تیزی سے بولی۔ ”عصرہ کو مار کے میں پارٹی کی جمیر پر سن نہیں بن سکتی تھی۔ نہ ہی میرے عصرہ اور قاتل کے درمیان کوئی کوثر اینگل تھی۔“

”تالیہ.... آپ....“ لیکن وہ سنے بغیر بولتے ہوئے کمرے میں دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہی تھی۔

”اگر کوثر اینگل ہوتی تو عصرہ مجھے مارتیں۔ نہ کہ میں عصرہ کو۔ اور کون سا عصرہ کو مار کے ان کی جائیداد میں سے مجھے کچھ مل جاتا تھا۔ پھر میں کیوں ماروں گی انہیں؟“ اس نے بیگ اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

”کیا آپ کو عصرہ محمود کی وصیت کے بارے میں نہیں معلوم؟“ احمد نظام نے تعجب سے اس بڑکی کو دیکھا جو کندھے پہ بیگ اٹھائے ڈرائیونگ روم کے وسط میں کھڑی تھی۔ وصیت کے ذکر پہ اس کی آنکھیں پھیلیں۔

”کیسی وصیت؟“ وہ دھپ سے صوفے کے اس کونے پہ بیٹھی جو ان کے قریب ترین تھا اور بے یقینی سے پوچھا۔

”میرے ہوتے ہوئے کسی وصیت کا تذکرہ نہیں ہوا تھا۔“

”لیکن آپ نے آن لائن یا اخبارات میں کہیں تو پڑھا ہوگا کہ....“

”سمجھیں میں مر گئی تھی چھ سال کے لیے۔ مجھے کچھ نہیں معلوم تھا کہ دنیا میں کیا ہو رہا تھا۔ ٹھیک؟ اب بتائیں.... کون سی وصیت؟ کیسی وصیت؟“

اس کے پریشان چہرے کے دونوں اطراف میں سیاہ لٹیں گر رہی تھیں۔ وہ ان کوکان کے پیچھے اڑنا بھی بھول گئی تھی۔

”واؤ۔ خیر آپ کو یاد ہوگا کہ اپنی موت والے دن عصرہ محمود نے دولت صاحب کو گھر بلایا تھا جب آپ ان سے جھگڑا کر کے گئی تھیں؟“ انہوں نے عینک ناک پہ پیچھے دھکیلتے ہوئے ہاس سے ایک کانڈ نکال کے سامنے رکھا۔ ”دولت اماں نے پولیس کو بتایا تھا کہ....“

پیش کیا گیا تاکہ آپ ان کے لالچ میں واپس آجائیں۔ حالانکہ وہ نوار دات کسی خاص قدر و قیمت کے حامل نہ تھے۔ زیادہ سے زیادہ دو چار لاکھ میں بک جاتے۔ اور بس۔ جب آپ کو ان کا لالچ واپس نہ لاسکا تو وہ اشعر نے کسی میوزیم میں عارضی طور پر رکھوا دیے۔“

”میں ان نوار دات کا کیا کروں گی؟“

”وہ آپ کو بھی مل بھی نہیں سکتے“ چے تالیہ۔ کیونکہ اشعر محمود کو معلوم تھا عصرہ کی وصیت اس وقت بے کار ہو جائے گی جب وہ کورٹ میں اپیل دائر کر کے کہے گا کہ یہ وصیت عصرہ سے زبردستی لکھوائی گئی تھی۔“

”اور میرے اوپر قتل کا الزام دیکھتے ہوئے کورٹ ایک پیشی میں اشعر کے حق میں فیصلہ دے دے گا اور وہ بے کار نوار دات مجھے کبھی نہیں ملیں گے۔ عصرہ بھی جی چاہتی تھیں کہ وہ مجھے نہ ملیں۔ انہوں نے جان بوجھ کے دولت کو ایسا بیان لکھوایا جو وصیت کو مشکوک بنادے۔“

”آپ مسلسل سزا عصرہ کو موروا الزام ٹھہرا رہی ہیں۔ حالانکہ وہ مقتولہ ہیں۔“

”آپ نہیں یقین کریں گے۔ کوئی بھی نہیں کرے گا۔“ اس نے سر جھٹکا۔ ”یہی اب تک اشعر اس وصیت کو منسوخ کرا چکا ہوگا۔“

”بالکل۔ اس نے ایسا ہی کیا ہوگا۔“

”واؤ۔ میں ان چند نوار دات کے لیے عصرہ محمود کا قتل کروں گی جن میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور جو کسی میوزیم میں بچے پڑے ہیں؟ واؤ۔“ وہ بیگ اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوئی تو اس کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ اور غصہ نظر آ رہا تھا۔

”اس وصیت کے ہوتے ہوئے میں اپنی بے گناہی کبھی ثابت نہیں کر سکتی۔ مجھے اس ملک سے دور چلے جانا چاہیے۔ آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟“

وہ اسے خاموشی سے دیکھتے ہوئے کھڑے ہوئے تو تالیہ نے گویا جڑ کے پوچھا۔ ان کی نظروں میں کچھ تھا۔

”میں سوچ رہا ہوں کہیں آپ نے واقعی یہ قتل تو نہیں کیا؟ کیونکہ جیسے سال بعد آپ منظر عام پہ آئی ہیں۔ جیسے سال ایک مشکوک عرصہ ہوتا ہے چے تالیہ۔“

”کیوں؟ کیا ہو جاتا ہے جیسے سال میں؟ کیا قتل کے الزامات مٹ جاتے ہیں؟ کیا پولیس کیس بند ہو جاتے ہیں؟ کیا جیسے سال کسی کو بھلا دینے کے لیے کافی ہوتے ہیں؟ کیا جیسے سالوں میں کسی کو unlove کیا جاسکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں بدلتا جیسے سال میں۔ وقت نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔“ تلخی سے کہہ کے وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

”ایک ہاتھ۔“ ان کی آواز پہ وہ ہادل خواستہ رکی۔

☆☆=====☆☆

اب آسمان صاف ہو چکا تھا۔ ہارٹس رکے میں منٹ ہوئے تھے لیکن سورج جانے کہاں سے نکل آیا تھا اور احمد نظام کا لان چمکیلی دھوپ سے منور ہو گیا تھا۔

وہ لان کے دہانے پہ احمد نظام کے ساتھ کھڑی ان کو خدا حافظ کہہ رہی تھی۔ اس نے ہڈ سر پہ لے رکھی تھی اور جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے۔

”کیا آپ میرا کیس لیں گے؟“ اس نے انہیں امید سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اتنا ہائی پروفائل کیس میں ضرور لوں گا“ چے تالیہ۔ میں نے آپ کو پچھلے دو گھنٹے یہ فیصلہ کر کے ہی دیے تھے۔“ وہ مسکرا دی۔ ”میں اور آپ مل کے کورٹ میں میری بے گناہی ثابت کریں گے۔ کیونکہ وقت کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرتا اور

میرے ساتھ وقت بہت مہربان رہا ہے۔“

”کچھ دیر پہلے آپ کچھ اور کہہ رہی تھیں۔“

تالیہ نے مسکرا کے روشنی سے منور لان کو دیکھا۔ ”سمجھیں ایک لمحے میں میرا دل بدل گیا ہے۔“

وہ بھی دھیرے سے مسکرا دیے۔ ”اب آپ کہاں جائیں گی؟“

”پارلیمان ہاؤس۔ وہاں پردھان منتری اپنے منسٹرز کے ساتھ آج اجلاس میں شرکت کرنے آئیں گے۔ میں نے معینوز میں دیکھا تھا۔“

”اتنے رش میں وہ آپ کو دیکھ بھی نہیں پائیں گے۔ لیکن اگر کسی اور نے دیکھ لیا تو آپ گرفتار ہو سکتی ہیں۔“

”تو آپ ہیں نامیرے وکیل۔ میری ضمانت کے کاغذات تیار رکھیے گا۔“ معنی خیز نظروں سے ان کو دیکھتی وہ آگے بڑھ گئی۔

☆☆=====☆☆

پارلیمان کی عمارت میں کافی تبدیلیاں آگئی تھیں۔ یا شاید وقت بدل گیا تھا۔ سچی لفظ تھی، سچی درود یار تھے جہاں وہ وہاں فاتح کی کافی پکڑے اس کے پیچھے تیز تیز چلا کرتی تھی۔ فاتح، تالیہ، ہاڈی مین، گارڈ، سب ایک ساتھ لفٹ میں داخل ہوئے تھے۔ ایک ساتھ نکلتے تھے۔ راستے میں وہ ان کو مختلف کاموں سے آگاہ کرتی جاتی تھی۔

مگر تب فاتح کے ارد گرد اتنا رخ نہیں ہوتا تھا جتنا آج تھا۔ لفٹ کے دروازوں کے سامنے ہجوم اکٹھا تھا۔ مسافری، کیمرو مین،

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

سیکیورٹی کا عملہ.... سب تیار بیٹھے تھے کہ ادھر پر دھان منتری لفٹ سے نکلیں اور ادھر وہ ان پہ ٹوٹ پڑیں۔
وہ کاریڈور کے دوسرے سرے پہ کھڑی تھی۔ سر پہ ہڈ ڈالے سینے پہ بازو لپیٹے وہ خاموشی سے لفٹ کے بند دروازوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ لفٹ سے نکلے گا، راہداری پار کرے گا، اور سامنے والے دروازوں کے پار گم ہو جائے گا۔ ایک راہداری پار کرنے میں اسے چھ سیکنڈ لگنے تھے۔ تالیہ کو چھ سال لگے تھے۔ لیکن وقت وقت کی بات تھی۔

لفٹ کے دروازے کھلے۔ وہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ اندر سے وان فاتح چار پانچ افراد کے ہمراہ نکلا۔ وہ نکلے ہی مسکرا کے رپورٹرز کے سوالوں کا جواب دینے لگا۔ اس کے قدم راہداری پہ آگے بڑھ رہے تھے۔ رپورٹرز مائیک اس کی طرف بڑھائے اٹھے قدموں پیچھے کو ہٹ رہے تھے۔

ایک سیکنڈ.... دو سیکنڈ.... پانچ سیکنڈ.... اور وہ دروازے کے پار گم ہو گیا۔ اس نے تالیہ کو نہیں دیکھا۔
فاتح کے پیچھے چلتے اشعر کو رپورٹرز نے گھیر لیا۔ وہ مسکرا کے ان سے بات کرتا آگے بڑھنے لگا۔ وہ راہداری کے وسط میں تھا جب رپورٹرز کے جھوم سے دور کرنے میں کھڑی لڑکی پہ اس کی نظر پڑی۔ سیاہ ہڈ کے ہالے میں دمکتا چہرہ۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اشعر نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر مسکرا کے رپورٹرز کو ہاتھ ہلاتا آگے بڑھ گیا۔
وہ تین قدم چلا۔ پھر رکا۔ ذہن نے اس چہرے کو پراسیس کرنے میں چند لمحے لیے تھے۔

وہ ایک دم چونک کے مڑا۔
وہ ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ پھر لڑکی گویا کرنٹ کھا کے گھوم گئی۔ رپورٹرز کا جھوم راستے میں آ گیا۔ اشعر نے گردن اونچی کر کے اسے تلاشنا چاہا۔ رپورٹرز سامنے سے ذرا ہٹے تو اس نے دیکھا.... وہ لڑکی اب وہاں نہیں تھی۔

وہ زیادہ دیر وہاں نہیں کھڑا ہو سکتا تھا کہ رپورٹرز پھر سے سوالات اس کی جانب پھینکنے لگے تھے۔ وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ البتہ اس کا سارا وجود گہرے تعجب کے زیر اثر تھا۔ کیا اس نے واقعی تالیہ مراد کو دیکھا تھا یا اس کا گمان تھا؟

☆☆=====☆☆

ڈائننگ ہال میں ناشتہ چنا تھا اور ہر روز کی طرح سرمایہ کرسی پہ وان فاتح بیٹھا جائے پینے کے ساتھ موہاگل پہ معروف نظر آتا تھا۔ اشعر اور جولیا نہ اس کے دائیں اور بائیں ہاتھ بیٹھے تھے۔ اشعر کافی کے مگ میں چمچ ہلاتا تھا اور جولیا نہ تیز تیز دلیہ کھا رہی تھی۔ وہ سیاہ لمبے بالوں اور اس آنکھوں والی نین اسٹیج لڑکی تھی جس کا سر عموماً جھکا رہتا تھا۔ اس میں عصرہ کی شباہت واضح محسوس ہوتی تھی۔

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

درد ازہ دستک کے ساتھ کھلا۔ تینوں نے چہرے اٹھا کے دیکھا تو سامنے میٹھا کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا۔

”سوری میں آپ کو ڈسٹرب کر رہی ہوں۔“ اس نے ہونٹ ہا ہم ملا کے خفت سے کندھا چکائے۔ گرے مٹی کوٹ پہ شہد رنگ بالوں کو دونوں طرف سے ٹوئسٹ میں ہاندھے اس نے کانوں میں موٹے موٹے سفید موتی پہن رکھے تھے۔ چنگدار سیاہ جوتوں سے چلتی وہ ان کے قریب آئی اور معذرت چاہی تو جولیانا نہ مسکرا دی۔

”نو پرابلم۔ میں بس ناشتہ ختم کرنے والی ہوں۔“ ساتھ ہی جولیانا نے وال کلاک کو دیکھا۔

”نہیں۔ تم آرام سے ناشتہ کرو۔ میں خود ہی جلدی آئی تھی۔ مجھے داتو سری سے بات کرنی تھی۔“ وہ لب کاہتی ”شرمندگی اور جوش کے ملے جلے تاثر کے ساتھ فاتح کو مخاطب کر کے بولی تو اس نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے عام حالات میں بے حد پراعتمادی میٹھا پردھان منتری کے سامنے اپنا اعتماد دکھو دیتی تھی۔ شاید بہت سے لوگ کھو دیتے تھے۔

”شیوور۔ سب خیریت ہے مسز میٹھا؟“ اس نے چائے کھونٹ بھرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

”آپ ادھر آ جائیں۔“ جولیانا نے اپنی کرسی سے اٹھی اور ادب و اپنائیت سے میٹھا کو جگہ پیش کی۔ فاتح نے مسکرا کے جولی کے انداز کو دیکھا۔ جب سے میٹھا اس کی ٹیوٹر بنی تھی جولیانا کے انداز میں بہت رکھ رکھاؤ آ گیا تھا۔ تمیز، تہذیب، آداب۔ وہ عام ٹین ایجر کی طرح slang نہیں بولتی تھی۔ فیکسٹ لکھتی تو پورے الفاظ لکھتی۔ بولتی تو گاڑھی زبان بولتی۔ اب بھی فاتح نے دیکھا کہ میٹھا جولیانا کا شکریہ ادا کر کے کرسی پہ بیٹھی اور جس نفاست سے اپنا ہیٹ ایک طرف رکھا اور پرس دوسری طرف جولیانا کے سامنے کسی مشاق طالب علم کی طرح نوٹ کیے جا رہی تھی۔

”میں دراصل ایک درخواست کرنا چاہتی تھی۔“

”جی ہائے۔“ فاتح نے کپ نیچے رکھا اور سنجیدگی سے پوچھا۔

اشعر نے مسکرا کے جولیانا کو دیکھا جو مسکراہٹ دبائے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں نے معنی خیز نگاہوں کا تبادلہ کیا اور سر جھکالیا۔ ادھر میٹھا کہہ رہی تھی۔

”اور آپ بغیر کسی مردت کے انکار کر سکتے ہیں۔“

”ظاہر ہے میں انکار کر سکتا ہوں۔“ وہ مسکرایا۔ میٹھا کے گال سرخ ہوئے۔ اس کا رہا سہا اعتماد بھی متزلزل ہونے لگا۔

”جیسا کہ آپ کو معلوم ہے.... میں ایک فوٹو گرافر بھی ہوں۔ میں اپنی ایک ایگزیشن منعقد کر رہی ہوں۔ اگلے ہفتے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ اس میں شرکت کریں۔“ اس نے بیک سے ایک کارڈ نکال کے سامنے رکھا۔ فاتح نے کارڈ اٹھا اور کھول کے سرسری سارا دیکھا۔

”اتوار کو؟“

”جی۔ اتوار کو۔ کیا آپ وقت نکال سکیں گے؟“ وہ امید سے پوچھ رہی تھی۔ انکار کا خوف بھی تھا۔
فاتح نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تو اشعر تیزی سے بولا۔ ”اتوار کو بیس بکچیس منٹ کے لیے کسی ایگزیکشن میں شرکت کرنا اتنا مشکل تو نہیں ہے؟ آجنگ۔ آپ آسانی سے وقت نکال لیں گے۔“
جولیانہ نے مسکرا کے سر مزید جھکا دیا۔ فاتح نے البتہ صرف ایک گہری نظر اشعر پہ ڈالی اور واپس میٹھا کود دیکھا۔
”نمائش کس بارے میں ہے؟“

”میری فوٹو گراف کلیکشن کے بارے میں۔“

”آپ کیا فوٹو گراف کرتی ہیں؟“

”قدرتی مناظر میں نظر آتے جانور۔“

”کون سے جانور؟“

”گھوڑے۔ دراصل... نمائش گھوڑوں کی تصاویر کے بارے میں ہے۔ سیاہ اور سفید گھوڑے۔ زیادہ سیاہ۔“ وہ جلدی جلدی بتانے لگی۔ اب وہ پر جوش نظر آنے لگی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔
”سیاہ گھوڑے کیوں؟ لڑکیاں تو سفید گھوڑے زیادہ پسند کرتی ہیں۔ فیری ٹیلو کے جیسے۔“ اس نے کپ سے آخری گھونٹ بھرا اور ساتھ ہی کلائی کی گھڑی دیکھی۔ اسے اب جانا تھا۔

”جس زمانے میں فیری ٹیلو لکھی گئی تھیں تب شاید انسانوں کو ان کی سفیدی کی وجہ سے پسند کیا جاتا تھا۔ اب ہم مختلف زمانے میں رہ رہے ہیں، واٹو سری۔ ہم بطور انسان ڈارک ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمیں اپنی سیاہی کو قبول کر لینا چاہیے۔“ (توقف سے بولی) ”کیا میں توقع رکھوں کہ آپ میری نمائش کا فیٹا کانٹیں گے؟“ پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ ”اور میں آپ کے عہدے سے فائدہ نہیں اٹھا رہی۔ نہ ہی آپ کو بطور پردھان منتری بلا کے اپنی نمائش کو مشہور کر دانا چاہتی ہوں۔ میں نے بہت کم لوگوں کو مدعو کیا ہے۔ زیادہ تر میرے اسٹوڈنٹس کے پیرنٹس ہیں۔“

”پھر تو ربن کوئی دوسرا پیرنٹ بھی کاٹ سکتا ہے۔“

”کوئی دوسرا پیرنٹ پردھان منتری ہے کیا؟“ وہ ترکی بہ ترکی بولی۔ اب کے مسکرا بھی رہی تھی۔

”لو کے۔ آپ یہ کارڈ میرے پروڈکٹ کو آفیسر کو دے دیں۔“ وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔

”تھیک ہو۔“

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”آپ کو معلوم ہے میرا پردہ تو کول آفسر کون ہے؟“

”نہیں۔“ میٹھا نے شرمندگی سے دائیں ہائیں گردن ہلائی۔ دانتوں سے لب بھی کاٹے۔ فاتح نے گہری سانس لی۔

”آپ جب گھر میں داخل ہوئی ہوں گی تو سامنے....“

”آپ رہنے دیں۔ میں دے دوں گا۔ میں پی ایم کا چیف آف اسٹاف ہوں۔ یہ کام بھی میری جاب ڈسکرپشن میں آتا ہے۔“

”اشعر نے جلدی سے کارڈ پکڑ لیا اور شائستگی سے بولا تو میٹھا مسکرا دی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

”جھٹک یو۔ آپ آئیں گے نا؟“ وہ کسی فین گرل کی سی ایکساٹمنٹ سے پوچھ رہی تھی۔ انگلیاں ہاہم ملارکھی تھیں۔

”میں کوشش کروں گا۔“ وہ رسماً اتنا بولا۔ جولیانہ ناشہ ختم کر چکی تھی۔ وہ میٹھا کو لیے وہاں سے رخصت ہو گئی تو اشعر

کھٹکھٹا رہا۔

”آپ کو اس لڑکی کے لیے نام نکالنا چاہیے؟“ آجنگ۔

”میں سمجھ رہا ہوں جو تم کر رہے ہو۔“ وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے سر جھٹک کے اٹھا تو اشعر بھی ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

”لیکن آپ مجھ سے روک نہیں رہے۔ میں بھی سمجھ رہا ہوں۔“

فاتح بس مسکرا کے آگے بڑھا جب اشعر کو یاد آیا۔

”بج.... مجھے یاد آیا.... پتہ ہے کل میں نے پارلیمنٹ میں کس کو دیکھا؟“

فاتح نے مڑ کے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ”تمہاری انکسوائف؟“

”نہیں۔“ اس نے براہ منہ بتایا۔ پھر سر جھٹکا اور دبے دبے جوش سے بولا۔

”میں نے کل تالیہ مراد کو دیکھا۔“

وہ کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھے کھڑا آدھا مڑ کے اشعر کو دیکھ رہا تھا۔ ان الفاظ پہ اسی طرح کھڑا سے دیکھتا رہا۔ ہٹا پٹک

جھپکے۔ ہٹا گلا سانس لیے۔

وقت جیسے ختم کیا تھا۔ گھڑی کی سوئی رک گئی تھی۔ ساری دنیا دم سا دھمان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

پھر فاتح کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ اس نے تعجب سے دہرایا۔ ”تم نے.... تالیہ مراد کو دیکھا؟ تالیہ؟ ہماری تالیہ؟“

”جی۔ پارلیمنٹ ہاؤس میں۔ آئی مین....“ اشعر اسے اتنا سنجیدہ دیکھ کے ہکھلایا۔ ”مجھے ایک لڑکی کو دیکھ کے لگا کہ وہ تالیہ

مراد ہے۔“

فاتح نے میز پہ پتیلیاں رکھیں اور اس کے سامنے جھکا۔

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”اشعر محمود... تم نے تالیہ کو دیکھا... یا نہیں؟“ اس کی آواز امداز آنکھیں... ان سب میں اتنی سنجیدگی تھی کہ اشعر کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سر پھر دوڑتی محسوس ہوئی۔

”مجھے... گمان گزرا... کہ وہ تالیہ تھی۔ ایک سیکنڈ کے لیے اسے دیکھا لیکن پھر وہ مڑ گئی۔ آئی ڈونٹ نو۔ شاید وہ تالیہ نہیں تھی۔“ اس نے لہجے کو عام سا تاثر دینے کی کوشش کی۔ قاتح سیدھا ہو گیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ڈسٹرب ہو گیا ہے۔ اتنا ڈسٹرب کہ اشعر متعجب رہ گیا تھا۔

وان قاتح خاموشی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جیسے وہ ابھی تک اشعر کی بات پہ یقین نہ کر پا رہا ہو۔

اس کے جانے کے بعد اشعر نے تیزی سے فون نکالا اور ایک نمبر ملا یا۔

”خوڑا میرے پاس آؤ۔ مجھے پارلیمان جانا ہے۔ ہاں سب خیریت ہے۔ بس ایک اشتہاری مجرم کو میں نے کل وہاں دیکھا تھا۔ اس کی گرفتاری کے لیے کچھ اقدامات کرنے ہیں۔ جلدی آؤ۔“

فون رکھ کے اس نے نمائش کا دعوت نامہ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ڈائننگ ہال کے بغلی دروازے سے باہر نکلے تو راہداری بنی تھی۔ اس کے آگے ایک روشن کھڑکیوں والا کمرہ تھا جہاں ایک بیاناور رکھا تھا۔ دوسری جانب میز کرسیاں بھی تھیں۔ میٹھا ایک کرسی پہ بیٹھی کتاب کے صفحے پلٹ رہی تھی جب جولیانہ اندر داخل ہوئی۔ پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔ اسے میز پر رکھا اور خاموشی سے بیٹھ گئی۔ میٹھا نے نظراٹھائی تو اس کا سفید چہرہ دیکھ کے چوکی۔

”جولی... تم پانی لینے گئی تھیں۔ اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟“ نرمی سے استفسار کیا۔

جولیانہ نے بے چینی سے لب کاٹے۔ ”اشعر انکل ڈیڈ سے کہہ رہے تھے کہ انہوں نے تالیہ مراد کو دیکھا۔“

”تالیہ مراد کون؟“ میٹھا نے الجھ کے اسے دیکھتے ہوئے کتاب بند کی۔

”جس پہ میری ماما کے قتل کا الزام تھا۔ وہ کئی سال پہلے یہاں سے چلی گئی تھی۔ شاید ملک سے بھاگ گئی تھی۔“

”اچھا ہاں۔ میں نے اس کے بارے میں پڑھا تھا ایک دفعہ۔ وہ دوسری کی چیف آف اسٹاف ہوتی تھی۔“

”اب کیا وہ ہماری زمینوں میں واپس آجائے گی؟“ وہ اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

”جولیانہ۔“ میٹھا نے نرمی سے اس کے پنجہ ہوتے ہاتھ تھامے اور اس کی طرف جھکی۔ ”کوئی آئے یا جائے اس سے تمہیں فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہم سب تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہیں۔“

”اس پہ میری ماما کا قتل ثابت نہیں ہوا تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے اس نے ماما کا قتل کیا ہوگا؟“ جولیانہ عجیب سے انداز میں پوچھ

رہی تھی۔

”دیکھو بچے.... بغیر ثبوت کے کسی پہ الزام لگانا گناہ ہوتا ہے۔ ہمیں کیا معلوم اس نے قتل کیا تھا یا نہیں؟ یہ ثابت کرنا عدالت کا کام ہے۔ تم نے ان باتوں کا اثر خود پہ نہیں لینا۔ یہ داتا سوری کا مسئلہ ہے۔ وہ ہینڈل کر لیں گے۔ تم نے ٹیسٹ تیار کرنا ہے ابھی۔ ٹھیک؟“ وہ مڑی سہا سے سمجھا رہی تھی۔ جولیانہ نے سر جھکا کے گردن ہلائی۔

☆☆=====☆☆

لفٹ کے دروازے کھلے تو تالیہ نے قدم باہر رکھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر پہ ہڈ پہنے وہ گہری نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتی باہر نکلے۔ سامنے دو طرف مڑتی راہداریاں تھیں جن میں اپارٹمنٹس کے دروازے کھلتے تھے۔

ایڈم کا دروازہ بالکل سیدھ میں تھا۔ وہ وہیں کھڑی کچھ دیر اس کو دیکھتی رہی۔ اس دروازے کی گھنٹی پہ ہاتھ رکھنے کے لیے بہت ہمت چاہیے تھی۔ یونہی پیچھے مڑ کے دیکھا تو لفٹ جو نیچے جا چکی تھی اب واپس اوپر آرہی تھی۔ چار منزلوں کا فرق رہ گیا تھا۔ سرخ ہندسہ ہر سیکنڈ تبدیل ہو رہا تھا۔ وہ تیزی سے دوسری راہداری کی اوٹ میں ہو گئی۔ جانے کون اندر سے نکلے۔

دروازے کھلے اور صوفی باہر نکلے۔ چھوٹے بالوں اور گول بالیوں والی صوفی قاتل کا پلندہ اٹھائے، جھنجھلائی ہوئی ہینڈ بیک بھی سنبھال رہی تھی۔ اس کا اسٹریپ ہار ہار کہنی سے لٹک جاتا۔ تالیہ نے اوٹ سے دیکھا وہ ایڈم کے دروازے کی سمت میں جا رہی تھی۔ یکا یک بچ راہداری کے اس کا بیک پھسلا۔ اس کو سنبھالتے سنبھالتے ساری قاتل نیچے جا گریں۔

”یا اللہ۔“ وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے سر جھکائے غصے سے بولی۔ دفعتاً ایڈم کے دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی۔ اوٹ سے دیکھتی تالیہ فوراً پیچھے ہو گئی۔ دل بری طرح دھڑکا۔

”اوہ۔ میں تمہیں بلانے نیچے آنے لگا تھا۔ کب سے انتظار....“ ایڈم کی آواز ٹوٹ گئی۔ ”یہ کیا کیا ہے تم نے؟ کافی تو نہیں گرا دی میرے پیچھے؟ یا اللہ صوفی....“

”کافی لائی ہی نہیں۔ سوچا پیچھے پکڑاؤں پھر لاتی ہوں۔ آپ کی مہمان آگئی؟“

”نہیں۔ اب تک تو آ جانا چاہیے تھا۔“ آوازوں سے محسوس ہوتا تھا دونوں نیچے بیٹھے ایک ساتھ پیچھے جھن رہے ہیں۔ ”تم نے ساری ترتیب ہی بگاڑ دی۔ ان کو اٹھ چل تو کر لیتا تھا۔“

”سوری باس۔“ پھر وہ توقف سے بولی۔ ”میں نے تالیہ مراد کی جو فائل بنائی تھی وہ پڑھ لی آپ نے؟“

”ہاں پڑھ لی۔ کیا یہ واقعی سچ ہے کہ وہ کون آرٹسٹ تھی؟“ آوازیں سرگوشیوں میں بدل گئیں۔ تالیہ دیوار سے کان لگائے سانس روکے سننے لگی۔

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”جی ہاں۔ اس نے صوفیہ رحمن سے سرکاری معافی نامہ لیا تھا عصرہ کو قتل کرنے سے پہلے۔“

”یعنی عصرہ کا قتل اس نے معافی نامے کے بعد کیا۔ چی چی۔“ وہ ایک انجینیئر تھا۔

”مگر سوال یہ ہے صوفی کدہ بچھا پٹی کہانی کیوں بتانا چاہتی ہے؟ وہ کسی بھی لشکر کے پاس جاسکتی تھی۔ میں ہی کیوں؟“

”کیونکہ آپ مس مراد کو جانتے تھے۔ آپ کی مختلف پارٹیز میں اکٹھی تصاویر بھی ہیں جیسے سال پہلے کی۔“

”وہی تو مسئلہ ہے۔ جب عورتوں نے سنا کہ ایڈم کی یادداشت کھو گئی ہے تب سے اتنی عورتیں آ کے دھوئی کرنے لگیں کہ میں

ان کو جانتا ہوں۔ کسی کو میں نے ادھار دیا تھا کسی کو میں نے پڑھایا تھا اور پتہ نہیں کیا کیا۔“ وہ ناخوشی سے کہہ رہا تھا۔ ”اتنی

مشکل سے یہ سلسلہ رکھا تھا۔ اب معلوم نہیں مس مراد کو میں کیوں جانتا تھا اور اس کے ساتھ میں نے کیوں پارٹیز انٹینڈ کی

تھیں۔“

”آپ نے اپنی والدہ سے پوچھا؟“

”ہاں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب میں وان فاتح کا ہاؤس میں تھا تب وہ ان کے امیر فیملی فرینڈز میں سے ایک تھی اور کبھی کبھی

مجھ سے ملنے گھر بھی آتی تھی۔ اب پتہ نہیں اس کا بیان کیا ہوگا۔“ وہ چڑچڑا لگتا تھا۔

”ریلیکس ہاں۔ اگر جھوٹ بول رہی ہوگی تو معلوم ہو جائے گا۔“

”پھر بھی اس کی مزید چھان بین کرو۔ وہ کرمزل رہ چکی ہے۔ اس کا کوئی خفیہ ایجنڈا بھی ہو سکتا ہے۔“ وہ دونوں اب اندر جا

رہے تھے۔ دروازہ بند ہوا تو تالیہ نے آنکھیں کرب سے بند کیں۔ ”اوہ ایڈم....!“

ایڈم کی ڈور بیل بجانے کا وقت آ گیا تھا۔

صوفی اسے خوش اخلاقی سے خوش آمدید کہتی اندر لے آئی۔ تالیہ نے ہڈ پیچھے گرا دی تھی اور سیاہ کھلے ہال کانوں کے پیچھے

اڑس رکھے تھے۔ طائرانہ نگاہوں سے اس پر تعیش اپارٹمنٹ کا جائزہ لیتی وہ صوفی کے پیچھے اسٹڈی میں آ گئی۔ وہاں ابلے

سفید صوفے رکھے تھے جن پہ سیاہ اور پیلے کٹن رکھے تھے۔ کتابوں کے میلے دونوں اطراف میں بچے تھے۔

ایڈم ایک صوفے پہ بیٹھا موہاگل دیکھ رہا تھا۔ اسے صوفی کے پیچھے آتے دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا اور رسی مسکرایا۔

”خوش آمدید مس مراد۔“ اس کا چہرہ انجینیئر تھا۔ وہاں شناسائی کی کوئی رقم نہ تھی۔

”وقت دینے کا شکریہ ایڈم صاحب۔“ تالیہ اسے گہری نظروں سے دیکھتی سامنے بیٹھی۔ ہلکی بڑھی شیو آنکھوں پہ چشمہ

اور نیلی جینز کے اوپر پورے آستین کی سبز ہائی نیک شرٹ اسے بہت سویرہ بنا رہی تھی۔ البتہ چہرے کی سادگی آج بھی ویسی

تھی۔

”مس مراد۔ میں کافی لینے چارہ ہوں۔“ صوفی نے ایک اچھے میزبان کی طرح اسے مخاطب کیا۔ ”آپ کس قسم کی کافی پسند کریں گی؟“

”جس کو لانے میں آپ کو کافی دیر لگے۔“ اس نے صوفی کو دیکھتے ہوئے سپاٹ سے انداز میں کہا۔ لڑکی کے ابرو استعجاب میں اٹھے۔ پھر اس نے ایڈم کو دیکھا۔ اس نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ وہ سر ہلا کے زیر دہی مسکرائی۔

”اسپریشو کے ڈبل شاٹ ٹھیک رہیں گے۔“ کور دوازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ دونوں اب اسٹڈی روم میں اکیلے بیٹھے تھے۔ آمنے سامنے۔ درمیان میں میز حائل تھی۔ تالیہ کی نظریں ایک لمحے کے لیے بھی اس سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ ایڈم کی سادہ نظریں بھی اس پہ جچی تھیں۔

”آپ نے اپنی ضمانت قبل از گرفتاری کروا رکھی ہے؟“ مس مراد؟“ وہ ریکارڈر کا بٹن دہاتے ہوئے بولا۔

”چھ سال پہلے آپ مجھے چھ تالیہ کہتے تھے۔ مس مراد قدرے مغربی طرز مخاطب ہے۔ لیکن خیر.... ملایشیاء کافی مغربی ہوتا جا رہا ہے۔“ اس نے شانے اچکا دیے۔ ایڈم نے پتلیاں سکوڑ کے بغور اسے دیکھا۔

”آپ کے انداز سے لگتا ہے کہ آپ کافی عرصے بعد ملایشیاء آئی ہیں۔ کیا آپ نے ضمانت کروا رکھی ہے؟“ مس مراد؟“

”آپ پوچھیں گے نہیں کہ چھ سال پہلے آپ مجھے کیسے جانتے تھے؟“

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ پلک جھپکے ہٹا۔ کتابیں سانس رو کے ان کو دیکھ رہی تھیں۔

”میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ ایک معروف سوشلائٹ تھیں۔“ اس نے انداز کو سرسری بنایا۔ ”آپ کے فرار کے بعد پولیس نے مجھ سے بھی کئی ایک بار آپ کے متعلق پوچھا تھا۔“

”آپ جانتے ہیں یا آپ کو یاد ہے؟“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے مسکرائی۔

ایڈم کے چہرے پہ بے زاری سی ابھری۔ اس نے پہلو بدلا۔ ”او کے قائل۔ میری یادداشت ایک حادثے میں متاثر ہوئی تھی۔ اس لیے اگر میں نے ان چھ ماہ میں آپ سے کوئی معاہدہ کیا تھا تو آپ مجھے ابھی بتادیں۔ میں مہیلیوں کا شوقین نہیں ہوں۔ لیکن ہاں... آپ کو کسی بھی معاہدے کا تحریری ثبوت دینا ہوگا۔“

وہ اداسی سے مسکرائی۔ ”نہیں۔ آپ کا میرے اوپر کوئی ادھار نہیں ہے۔ ہمارے درمیان کبھی کوئی معاہدہ کوئی وعدہ نہیں ہوا تھا۔ بس چند ایک دفعہ پارٹیز میں ملاقات ہوئی تھی۔ ویس ایٹ۔“ اس نے بھی انداز کو اجنبی بنالیا۔

ایڈم نے گہری سانس لی۔ اسے جیسے ڈھیروں اطمینان ملا تھا۔

”میں چاہتی ہوں کہ آپ میری اسٹوری کو کور کریں اور حقائق حوام کے سامنے لائیں۔“

Downloaded from PakSociety.com

”سچ کیا ہے اس کا فیصلہ عوام کرتی ہے۔ میرا کام دونوں اطراف کی کہانی کو عام کے سامنے لانا ہے۔ اگر آپ کا کیس چلتا ہے تو میں پراسیکیوشن کا بیانیہ سامنے لانے کا بھی پابند ہوں۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ وہ مسلسل اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اسٹڈی روم میں خاموشی چھا گئی۔

”اوکے۔ آپ بتائیں۔ آپ کا سچ کیا ہے۔“ ایڈم ٹانگ پہ ٹانگ جما کے ٹیک لگا کے بیٹھا اور گھٹنے پہ نوٹ بک رکھ کے قلم کھول لیا۔

”آپ کو میں واقعی یاد نہیں ہوں؟“ پتہ نہیں اس نے کس آس کے تحت پوچھا۔

ایڈم نے گہری سانس بھری۔ ”نہیں۔ آئی ایم سوری۔ لیکن مجھے ارد گرد کے لوگوں نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔ میں وان قاتح کا ہاڈی مین تھا ایک زمانے میں۔“

”ایک زمانے میں۔“ وہ اسے دیکھتے ہوئے بڑبڑاتی۔

”وہیں میری آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور ایک پارٹی میں آپ نے وان قاتح کے ہائر مہمانوں کے سامنے میری حمایت کی تھی۔ یاد نہیں کس بات پہ۔“ سادگی سے شانے اچکا دیے۔

”یہ آپ کو آپ کی والدہ نے بتایا ہو گا۔“ وہ زخمی سا مسکرائی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیا ہمارے درمیان اس سے زیادہ بھی کچھ تھا؟“ اس کی آنکھوں میں تجسس کی چمک در آئی۔ جیسے وہ اس لڑکی کو جاننے کا خواہشمند ہو۔

”نہیں۔ بس ایک اچھی شناسائی تھی۔ اور ایک سفر ہم نے اکٹھا کیا تھا۔“

”جنگل کا؟“ وہ چونک کے بولا تو وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

”آپ کو یاد ہے وہ سفر؟“ الجھ کے پوچھا۔

ایڈم کھٹکھارا اور پھر الفاظ ڈھونڈنے چاہے۔ ”مس مراد میں آپ سے ملنے پہ اس لیے راضی ہوا ہوں کیونکہ میں نے ایک عرصہ اپنے ارد گرد آپ کا ذکر سنا ہے اور میں یہ جانتا چاہتا ہوں کہ میرے اور آپ کے درمیان کس قسم کا تعلق تھا۔ کیونکہ میری یادداشت کے متاثر ہونے کے بعد میں نے چند ایک دفعہ آپ کو خواب میں دیکھا تھا۔ عجیب سی بات ہے لیکن ہم دونوں ہمیشہ ایک نہ ختم ہونے والے جنگل میں سفر کر رہے ہوتے تھے۔“

”صرف ہم دونوں؟“

”جی۔ صرف ہم دونوں۔ کیوں؟ کیا کوئی اور بھی تھا؟“ وہ آگے کو ہوا۔

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”میں آپ کے سارے سوالات کے جوابات دے دوں گی لیکن پہلے آپ کو میری کہانی لوگوں کو بتانی ہوگی۔ ڈیل؟“

ایڈم بن محمد کی آنکھوں میں چمک دہرائی۔ وہ جیسے پر جوش نظر آنے لگا تھا۔

”ڈیل۔“ پھر توقف سے بولا۔ ”یعنی آپ جانتی ہیں کہ میرے ساتھ چھ سال پہلے کیا ہوا تھا؟ میری یادداشت کیوں کھوئی تھی؟“

”جی۔ میں آپ کو تھوڑا بہت بتائے دیتی ہوں۔ ہم ایک سفر پہ گئے تھے۔ اور آپ کو جنگلی جڑی بوٹیوں کے علم پہ عبور حاصل تھا۔ سفر کے آخر میں آپ نے مجھے کچھ بتانا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ ہم جنگل کے اس پار جا کے اس بارے میں بات کریں گے۔ ایک بات کا ادھار تھا آپ کے اوپر بس۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ اس لمحے کے آنے سے ڈرتے تھے۔ آپ کا دل اتنی بری طرح ٹوٹا تھا کہ آپ نے ایسی دوا بنا کے کھائی تھی جس سے آپ کی مخصوص وقت کے لیے یادداشت کھو گئی تھی۔ آپ نے اپنی یادداشت کو خود کھویا ہے۔ جان بوجھ کے۔“

”یہ ناممکن ہے۔ کوئی دوا ایک مخصوص وقت کی یادداشتیں کیسے ختم کر سکتی ہے؟“ وہ حیران ہوا تھا۔

”تو پھر آپ کی یادداشت کیسے کھوئی؟ آپ نے یہ اپنے ساتھ خود کیا تھا۔ آپ ایسے تجربے کرتے رہتے تھے دواؤں کے ساتھ۔ یادیں تکلیف دیتی ہیں ایڈم صاحب۔ اس لیے دیکھیں۔۔۔ آج آپ کتنے خوش اور مطمئن ہیں۔ ایک شخص کو ذہن سے منادینے سے کتنے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔“

ایڈم کی آنکھوں کی پتلیاں مشکوک انداز میں سکڑیں۔ ”ادکے۔ مجھے اس بات پہ یقین نہیں آیا لیکن وقت کم ہے اس لیے آپ کے کیس کے بارے میں بات کرتے ہیں۔“ اس نے گھڑی دیکھ کے سوالات کا آغاز کیا۔ ”آپ اپنے دفاع میں کیا کہیں گی؟“

”عصرہ محمود نے خودکشی کی تھی۔“ مصوفے پہ ٹپک لگائے بیٹھی لڑکی اطمینان سے بولی۔ ”وہ اپنی زندگی سے مایوس تھیں۔ اور انہوں نے اپنے ساتھ مجھے بھی پھنسانے کا بندوبست کیا تھا۔“

وہ لمبے بھر کو ششدر رہ گیا۔ کلمہ رکھ دیا۔ پھر ریکارڈر کا بٹن بند کیا۔

”مس مراد۔۔۔ آپ کو معلوم ہے آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ کوئی بھی اس بات پہ یقین نہیں کرے گا۔“

”اور عصرہ کو یہ معلوم تھا۔ وہی اصل قاتل ہیں۔ میں مشکل میں اس لیے ہوں کہ کوئی اس بات پہ یقین نہیں کرے گا۔“

اسٹڈی روم کی فضا میں تناؤ ساد آتا۔ ایڈم کے چہرے پہ اکٹا ہٹ پھیلنے لگی۔

”آپ میرا وقت تو نہیں ضائع کر رہی ہیں؟“

تالیہ نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو ہو کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”جس لمحے میڈیا کو معلوم ہوگا کہ پردھان منتری کی بیوی کی قاتل تالیہ مراد ملا پشیا واپس آ چکی ہے.... اور میرے اوپر مقدمہ چلے گا.... اس وقت سارے مظلوم میرا چہرہ دکھائیں گے۔ سارے رپورٹرز مجھ سے بات کرنا چاہیں گے۔ لیکن میں صرف ایک لہنگہ سے بات کروں گی۔ اگر آپ وہ ایک رہنا چاہتے ہیں اور اپنے کیریئر کی سب سے سٹینی خیر اسٹوری کو کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنا وقت مجھ پہ صرف کرنا پڑے گا۔“ اس کا لہجہ ٹھنڈا اور سپاٹ تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ ایڈم کے انداز میں واضح تبدیلی آئی۔ اس نے پہلو بدلا اور جلدی سے بولا۔

”ظاہر ہے میں آپ کی اسٹوری کو کرنا چاہتا ہوں۔ ضروری نہیں ہے کہ میں آپ سے شفیق ہوں لیکن میں آپ کی کہانی ضرور آگے بتاؤں گا۔ کیا آپ اپنے دعوے کو ثابت کر سکتی ہیں؟“

”عصرہ یہ کام اکیلے نہیں کر سکتی تھیں۔ کوئی تھا جس نے ان کی مدد کی۔ مجھے اس شخص کو ڈھونڈنا ہے۔“

”یعنی ابھی آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے؟“

”آپ ثبوت ڈھونڈنے میں میری مدد کیوں نہیں کرتے؟ آپ انویسٹی گیلو جرنلسٹ ہیں۔ اپنے پریچس آفس سے باہر نکلیں اور میرے ساتھ سڑکیں ماہیں ایڈم صاحب۔ بغیر محنت اور تفتیش کے اتنی بڑی اسٹوری آپ کو کیسے مل سکتی ہے؟“

”میں تیار ہوں۔“ اس نے برامان کے کندھے اچکائے۔ ”لیکن آخر میں آپ مجھے میرے سوالات کا جواب ضرور دیں گی۔ اور پلیز یہ کوئی جبری بوٹیوں والی کہانی نہیں سنائیں گی۔“

وہ چند لمحے سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ”میں آپ کو سب کچھ سچ بتا دوں گی۔ اب میں کسی سے نہیں ڈرتی۔“

”پھر آپ فرار کیوں ہوئیں؟ اور اتنا عرصہ آپ کہاں تھیں؟“ اس نے ریکارڈر پھر سے آن کیا، نوٹ بک کھولی اور لکھنے لگا۔

”میں اس بات کا جواب صرف کورٹ میں دوں گی۔ بس یوں سمجھیں کہ وقت نے میرے ساتھ بہت مہربانی کی ہے۔“

”مہربانی کیسے؟“

”میرے چھ سال ضائع کروا کے۔“ وہ پورے دل سے مسکرائی۔

”چھ سال ضائع کرنا مہربانی تو نہیں ہوتی۔ بلکہ.....“

”آپ مجھے دان قاتح سے ملوا سکتے ہیں؟“

سوال قدرے غیر متوقع تھا۔ ایڈم چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ ”وہ آپ کو دیکھتے ہی پولیس بلوالیں گے۔“

Downloaded from Pakvociety.com

”وہ ایسا نہیں کریں گے۔ آپ ان سے میٹنگ کا وقت لے سکتے ہیں؟“

”میں وان فاتح کا تھا وہوں اور اونچی کرسی والوں کو تھا وہیں نہیں ہوتے۔ وہ مجھے مجھوں میٹنگ کا وقت نہیں دیں گے۔“

”مجھے ان سے صرف پانچ منٹ کے لیے ملنا ہے۔ وہ ہر دوسرے دن کسی نہ کسی سیاسی گید رنگ میں مدعو ہوتے ہیں۔ آپ

مجھے کسی ایسی محفل کا دعوت نامہ دلا سکتے ہیں؟“

”میں ان کے پروٹوکول آفیسر سے پوچھ سکتا ہوں۔“ وہ سر جھکا کے فون پہ پیغام بھیجنے لگا۔ کتابیں خاموشی سے ان دونوں کو

دیکھتی رہیں۔

”آپ کے والدین کہاں ہیں؟ کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں رہتے؟“

ایڈم نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا اور پتلیاں سکڑیں۔ ”وہ اپنے پرانے گھر میں رہتے ہیں۔ کیوں؟“

”جہاں مرغیاں اور چوزے ہوا کرتے تھے؟“ وہ کچھ یاد کر کے مسکرائی۔ ایڈم نے محض ہنکارا بھرا۔ وہ ابھی تک لیا دیا امداد

اپنائے ہوئے تھا۔

پھر وہ اس سے کیس کے متعلق مزید سوالات پوچھنے لگا۔ وہ جواب میں عصرہ کا سارا پلان بتاتی گئی۔ ایڈم کو یہ سب ہضم

کرنے میں دقت پیش آرہی تھی لیکن وہ ضبط سے ایک ایک چیز نوٹ کرتا گیا۔ دفعتاً اس کا فون بجا۔ اس نے موبائل اٹھا کے دیکھا۔

”پی ایم کے پروٹوکول آفیسر نے میرے ایک پرانے فیور کا لحاظ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ پی ایم اس ہفتے ایک آرٹ نمائش

میں شرکت کر رہے ہیں۔ پرائیوٹ محفل ہے۔ تھوڑے لوگ ہوں گے وہاں۔ میں آپ کو پاس دلا دوں گا۔ آپ ان سے

ملاقات کر سکیں گی۔“

”پی ایم کو آرٹ میں دلچسپی کب سے ہونے لگی؟“

”میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن یہ نمائش میٹا تاج کی ہے۔“ اس نے پڑھ کے بتایا۔ تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

”ان کی بیٹی کی ٹیوٹر؟“

”ہاں شاید۔ میں نے اس کو ایک دو دفعہ سوشل میڈیا پہ ہی دیکھا ہے۔“

”اچھا۔ اور کیا جانتے ہیں آپ اس کے بارے میں؟“ تالیہ پیچھے کو موٹی اور سوچتے ہوئے پوچھا۔

”میٹا تاج کے بارے میں؟ اتنا خاص نہیں۔ یہ پتر اجایا کی ایک جانی پچانی سوشلائٹ ہے۔ اور کافی میلنڈ فوٹو گرافر

ہے۔ سنگل مدر ہے اور ایک بیٹی بھی ہے اور۔۔۔۔۔“

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”اور اس کا انکس ہر ہینڈ کر مثل ہے اور اس کو ابھی تک ہر اسوں کرتا ہے۔“

ایلم نے چونک کے اسے دیکھا۔ ”یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔ آپ جانتی ہیں اس کو؟“

”جی۔ آپ بھی جانتے تھے اس کو۔ بلکہ آپ اس سے ملے بھی تھے۔“

”اچھا؟“ وہ واقعاً حیران ہوا۔ پھر چونکا۔ ”اس پر اسرار جنگل میں سفر کرتے وقت؟“

”نہیں۔ وہ جنگل تو ایک دوسری دنیا تھی۔ آپ کی میٹھا سے ملاقات جنگل میں جانے سے پہلے ہوئی تھی۔ سز مصرہ کی آرٹ

گیلری میں۔ تب آپ دان قاتح کے ہاڈی مین تھے۔ اور یہ ایک آرٹ کلکٹر تھی۔ وہاں کچھ خریدنے آئی تھی۔ آپ کو نہیں

یا؟“

”اچھا؟ اسٹریچ۔ اور آپ بھی ملی تھیں اس سے؟“

”میں وہیں تھی۔“ تالیہ نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو وہ خاموش ہو گئی۔ صوفی گتے کی ٹرے

میں تین کافی کپ اٹھائے مسکراتی ہوئی آ رہی تھی۔

”میں اب چلتی ہوں۔ آپ مجھے پارٹی کا وقت اور جگہ ٹیکسٹ کر دیجئے گا۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولی تو صوفی نے حیرت سے

اسے دیکھا۔

”کافی تو پی لیں۔“

”میں نے کب کہا کہ نہیں پیوں گی۔“ اس نے سادگی سے کہتے ہوئے ایک کپ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

ایلم نے صوفی کو اشارہ کیا اور ہوا میں لکھنے کے اعداد میں انگلیاں چلائیں۔ وہ ٹرے سے کھ کے فوراً اس کے پیچھے لگی۔

”مس مراد.... مجھے تحریری طور پر آپ سے ضمانت چاہیے کہ آپ کسی دوسرے لائیکر سے.....“ صوفی نے ایک کلب بورڈ

ہیلف سے اٹھایا ہی تھا کہ تالیہ مڑی، کلب بورڈ اس کے ہاتھ سے لیا، جانے کہاں سے قلم نکال کے اس پہ ایک دو تین جگہوں

پر دستخط کیے اور اسے واپس صوفی کو تھمایا۔

”میری زبان ہی میرا دستخط ہے ویسے صوفی۔ اگر میں کہہ رہی ہوں کہ کسی اور سے بات نہیں رکوں گی تو کوئی مجھے کسی اور

سے بات کرنے پہ مجبور نہیں کر سکتا۔“ جتا کے بولی۔ صوفی نے ایک نظر کاغذ کو دیکھا اور دوسری اس پہ ڈالی۔

”آپ نے کانٹریکٹ پڑھا ہی نہیں ہے۔“

”ایلم بن محمد ایک ایما عمار آدمی ہے۔ سچ بولتا ہے۔ وہ مجھے کسی غلط شرط کا پابند نہیں کرے گا۔“

صوفی نے ایلم کو دیکھا جس نے لاعلمی سے کندھے اچکا دیے۔ تالیہ اب ہا ہر نکل چکی تھی۔ صوفی اس کے پیچھے گئی۔ وہ

Downloaded from Pakvociety.com

دروازے پہ رکی کھڑی کچھ سوچ رہی تھی۔ صوفی کو دیکھ کے بولی۔

”ایلم اور میں نے ایک لمبا عرصہ ایک کتب خانے میں گزارا تھا۔“

”اچھا۔ میں سمجھی آپ نے ایک عرصہ جنگل میں ساٹھ گزارا تھا۔“

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔ صوفی نے مسکرا کے کان میں ننھے آ لے کی طرف اشارہ کیا۔

”میں ہر مینگ میں موجود ہوتی ہوں۔“

وہ نہیں مسکرائی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

”کیا اب بھی وہ کتابیں پڑھتا ہے؟ عام لوگوں کی طرح نہیں۔ بہت عقیدت، لگن اور محبت سے؟“

صوفی چپ ہو گئی۔ پھر کندھے اچکا دیے۔ ”آپ نے ان کی کتابیں نہیں دیکھیں؟ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے

مالک کو انہیں پڑھنے کا کتنے شوق ہے۔“ اس ٹیبلٹک جواب پہ تالیہ نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

”ہاں۔ میں نے دیکھا ہے کہ اسٹڈی کے ریکس میں قیمتی ہارڈ کورز کتنی ترتیب سے رکھے گئے ہیں۔ یا تو ایلم کی ہاؤس کیہر

منفائی بہت اچھی کرتی ہے یا وہ ان کتابوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ تم نے وہ ایلم نہیں دیکھا جو کتابیں سجانے سے زیادہ انہیں

جذب کرنے کا شوقین تھا۔ خیر۔ وقت دقت کی بات ہے۔“ اس نے ہڈی سر پہ گرائی اور آگے بڑھ گئی۔

صوفی کا منہ کھل گیا۔ وہ بالکل ساکت رہ گئی تھی۔ یہ لڑکی کون تھی جو اتنے سال بعد آئی تھی اور ایک نظر میں اس کے پاس کو

اگر تک جان گئی تھی؟

☆☆=====☆☆

کنٹرول روم میں کوئی کھڑکی نہ تھی جس کے باعث اندر نہ سورج کی روشنی پہنچتی نہ تازہ ہوا۔ بڑی میز پہ قطار میں کمپیوٹر

اسکرینز رکھی تھیں۔ ایک کرسی پہ اشعر بیٹھا غور سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے دائیں بائیں دو افراد جھکے کھڑے اسی طرف

متوجہ تھے۔ گزشتہ روز کی سی سی ٹی وی فوٹیج اسکرین پہ چل رہی تھی۔

”بیچھے کرو..... بیچھے.....“ وہ ایک دم بولا تو ساتھ کھڑے آدمی نے جھک کے چند کیز دوائیں۔ ویڈیو بیچھے جانے لگی۔ اس

نے پلے کیا تو اشعر کی آنکھوں میں چمک در آئی۔

”یعنی وہ میرا گمان نہیں تھا۔ یہ لڑکی واقعی وہاں موجود تھی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔

اسکرین پہ لفٹ سے نکلتی تالیہ نظر آرہی تھی۔ اس کی کمرے کی طرف پشت تھی اور سر پہ ہڈی تھی، لیکن وہ پہچان گیا تھا کہ یہ

وہی تھی۔ وہ کافی دیر وہاں کھڑی رہی۔ مگر قاتح کے جانے کے بعد اشعر کو دیکھ کے وہ مڑ گئی۔ اس زاویے پہ بالآخر اس کا چہرہ

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

دکھائی دیا۔ وہ تالیہ مراد ہی تھی۔

آپریٹر نے زوم کر کے تالیہ کے چہرے پہ ویڈیو روک دی۔ اشعر تھوڑی کواٹھیوں سے مسلتے ہوئے کتھی ہی دیر اس منہ کو دیکھے گیا۔ تالیہ مراد ہا لآخر.... (اٹھیوں پہ گنا).... چھ سال بعد ان کی زندگیوں میں واپس آ چکی تھی۔

”اس کے علاوہ پوری عمارت کی ویڈیوز میں یہ کہیں نہیں ہے۔ ہر جگہ یہ کمرے سے بچ جاتی ہے۔ یا پشت کر لیتی ہے۔ لیکن یہاں اس نے کمرے کے سامنے کھڑے ہونے کا خطرہ مول لے لیا۔“

”کیونکہ یہاں کوئی تھا جس سے وہ ملنے آئی تھی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔ اس مسکراہٹ میں مغر بھی تھا اور دلچسپی بھی۔

”کیا میں سکیورٹی کا اطلاع کروں کہ اگر یہ دوبارہ آئے تو....“

”اوتھوں۔ وہ یہاں دوبارہ نہیں آئے گی کیونکہ وہ مجھے دیکھ کے خوفزدہ ہو گئی ہے۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ آپریٹر نے سر ہلا دیا۔ دوسرا آڈی جو فاتح کا چیف سکیورٹی آفیسر تھا اس کے ساتھ چلتے ہوئے باہر آیا۔ اشعر کو مسلسل خاموش دیکھ کے وہ راہداری میں رکا اور اسے مخاطب کیا۔

”سر.... آگے کے لیے کیا حکم ہے؟“

”مجھے اس لڑکی کو گرفتار کر دانا ہے۔“ وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ کے بولا۔ دونوں راہداری کے وسط میں کھڑے تھے۔ ارد گرد لوگ آ جا رہے تھے۔ آفیسر نے آواز دہمی کر دی۔

”لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہ رہی ہے۔ البتہ ہم سارے شہر کی پولیس کو وارنٹ کر کے....“

”اوتھوں۔ پولیس اسے ڈھونڈ سکتی تو اتنے سال پہلے ڈھونڈ لیتی۔ تم تالیہ مراد بن کے سوچو۔ وہ پی ایم سے ملنے آئی تھی لیکن نہیں مل سکی۔ اب وہ کیا کرے گی؟“ وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سارا دن وہ اسی سوچ پہ سوچتا رہا تھا۔

”اس کو شہر میں سہولت کار چاہیے ہوں گے۔“

”ہائل۔ کیا اس کی دوست گرفتار ہوئی تھی؟ وہ موٹی سی گھٹکر یا لے ہالوں والی؟“

”نہیں سر۔ وہ گزشتہ چھ برس سے لا پتہ ہے۔“

”ہوں۔“ اشعر کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ ”تالیہ کا ایک اور دوست بھی تھا۔ وہ اینکر ایلم بن محمد۔ وہ اس سے ضرور

رابطہ کرے گی۔ یوں کروکل مبران کی برتھ ڈے پارٹی پہ ایلم کو مدعو کر دو میری طرف سے۔“

”آپ کو یقین ہے کہ ایلم اس سے رابطے میں ہوگا؟“

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”بالکل۔ ایڈم فوراً اس کو خبر دے گا۔ ہمیں تالیہ کو ڈھونڈنا نہیں پڑے گا۔ وہ خود ہمارے پاس آئے گی۔ وہ پارٹی پہ پی ایم سے ملنے کی کوشش کرے گی۔ کل شام.... برتھ ڈے پہ ہم اسے گرفتار کریں گے۔“

”آپ اس کے لیے ٹریپ سیٹ کرنا چاہ رہے ہیں؟“ وہ سمجھ کے سر ہلارہا تھا۔ ”میں جیسا ہر سکیورٹی کم رکھوں گا لیکن درحقیقت سادہ لباس میں اہلکاروں کو ہر جگہ پھیلا دوں گا۔“

”وہ بہت خطرناک کمرشل ہے۔ اسے فوج کے نہیں جانا چاہیے۔ اور اس ٹریپ کی خبر تمہارے علاوہ کسی کو نہیں ہونی چاہیے۔“

”شیور۔“ پھر اس نے ساتھ چلتے اشعر کو فوراً سے دیکھا۔ ”پی ایم کو مطلع کر دیا آپ نے؟“

”نہیں۔ ان کو اس بات کی بھٹک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔“

”آفسر کے ماتھے پہ بل پڑے۔“ ”سر... ان کو اتنا ضروری ہے۔ وہ پردھان منتری ہیں۔“

”اشعر اس کی طرف گھوما اور سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھا۔“

”جانتے ہو پردھان منتری کون ہوتا ہے؟ جو صرف کمرے میں بیٹھ کے حکم دیتا ہے۔ اس کے سارے احکامات کو متعلقہ

اداروں تک پہنچانے والا اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔ اس کو ہر روز ہر کسی کے بارے میں رپورٹ کرنے والا اس کا

چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔ کس سکیورٹی آفسر کو بروفاست کرنا ہے (سر سے بھر تک اسے دیکھا) اور کس کو ترقی دینی ہے یہ

ایڈوائس اس کو چیف آف اسٹاف دیتا ہے۔ پردھان منتری لوہنجی دیواروں کے درمیان قید ہوتا ہے۔ اس کا ہر دنی دنیا سے

واحد رابطہ اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا ہے۔ اگر تم سوچو تو پردھان منتری سے زیادہ طاقت ور اس کا چیف آف اسٹاف ہوتا

ہے۔ اور میں وان فاتح راحل کا چیف آف اسٹاف ہوں۔“

ٹھنڈے انداز میں توڑ توڑ کے اس کو سنایا۔ ماتھے پہ بل بھی ڈال لیے۔ سکیورٹی آفسر نے سکون سے ساری بات سنی۔

”رائٹ سر۔ اور اگر چیف آف اسٹاف اپنے پاس کی پیٹھ کے پیچھے کچھ کرے تو وہ چیف آف اسٹاف نہیں رہتا۔ وہ تالیہ

مراد بن جاتا ہے جسے شہر میں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔ میں اپنے پی ایم کو مطلع کرنے کا پابند ہوں۔ چاہے ان کے چیف

آف اسٹاف کو اچھا لگے یا برا۔“

اشعر نے صبر کا گھونٹ امدار اتارا۔ (ڈیم ڈیمو کر لیں۔) اور مسکرا کے بولا۔ ”کیوں نہیں؟ جب تمہاری ان سے ملاقات ہو

تو بتا دینا۔“

اشعر محمود لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔ سکیورٹی آفسر نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ وہ جانتا تھا کل شام تک اشعر محمود نے

اسے اتنا معروف رکھنا ہے کہ اس کی ملاقات پی ایم سے ہو ہی نہ پائے۔

☆☆=====☆☆

سری پردھانہ میں واقع وزیراعظم کا آفس کشادہ اور پریش تھا۔ طاقت کی منج کرسی کے پیچھے والی دیوار بھوری لکڑی کے کینٹ اور شیلف سے ڈھکی تھی۔ ایک دیوار میں شیشے کی بڑی سی کٹری تھی جس سے سرما کی دھوپ اندر آرہی تھی۔ وان قاتح اپنی کرسی پہ بیٹھا، عینک لگائے، شرٹ کے آستین موڑے فائلز دیکھ رہا تھا۔ تبھی دروازہ کھٹکا اور ایک سوٹ میں ملبوس نوجوان اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک سیاہ کور والی فائل اٹھا رکھی تھی۔ وہ میز کے سامنے مودب سا آکھڑا ہوا۔

”سر... یہ فائل آپ نے مانگی تھی۔“

”کون سی فائل؟“ شاہدان؟“ وہ کانغذوں پہ جھکے، کچھ تلاش کرتے ہوئے بولا۔ پھر جیسے یاد آیا۔ ”اچھا تم وہ لے آئے۔ یوں کرو....“ قاتح نے ادھر ادھر دیکھا۔ ”کسی شیلف میں رکھ دو۔ میں فارغ ہو کے دیکھ لوں گا۔ ٹھیک یو۔“ شاہدان ہائی اسٹافر نے سر ہلایا اور قاتح کے عقب میں بنے ایک شیلف تک آیا۔ اس میں تین سیاہ کور والی فائلز پہلے ہی رکھی تھیں۔ اس نے اس فائل کو ان کے اوپر سلیقے سے رکھا اور واپس اس کی میز کے سامنے آکھڑا ہوا۔

”سر...! اشعر صاحب کا فون آیا تھا۔ وہ آج آفس نہیں آسکیں گے۔ انہوں نے کہا ہے کہ آپ سے کہوں ان کا فیکسٹ دیکھ لیں فیروز صاحب سے میٹنگ سے پہلے۔“

”میٹنگ.... میٹنگ.... میٹنگ....“ قاتح نے سر اٹھایا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ ”جانتے ہو؟ شاہدان جب میں چھوٹا تھا تو سمجھتا تھا کہ ملک کا وزیراعظم پورے ملک کی رکھوالی کرتا ہے۔ اس کے گرد چکر کاٹتا ہے۔ کسی عقاب کی طرح۔“ شاہدان مسکراتے ہوئے پردھان منتری کو سننے لگا جو کہہ رہا تھا۔

”لیکن وزیراعظم جتنا سری پردھانہ میں قید ہونے کا نام ہے۔ سارا دن ہم کیا کرتے ہیں؟ میٹنگز اور میٹنگز۔ کابینہ سے میٹنگ۔ مختلف شہروں سے آئے اپنے پارٹی اراکین سے میٹنگز۔ مجھے تو بھول ہی گیا ہے کہ کے ایل کے پارک اور تالاب کیسے دیکھتے تھے۔“

کہتے ہوئے قاتح نے فون نکالا اور اشعر کا پیغام دیکھنے لگا۔ شاہدان تذبذب سے سر ہلا کے واپس مڑ گیا۔ اس سے زیادہ وہ پی ایم کا وقت نہیں ضائع کر سکتا تھا۔

”جانتے ہیں فارورڈ بلاک کی قیادت کون کر رہا ہے؟ فیروز۔ میں نے اسے آپ کے آفس بھیجا ہے۔ آپ اس سے ڈیل کر لیں۔“

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

وان قاتح کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ چہرے سے لگتا تھا وہ پیغام پڑھ کے شدید برہم ہوا ہے۔ اس نے اثر کام اٹھایا اور تلخی سے حکم جاری کیا۔

”فیروز کو اندر بھیجو۔“ پھر عینک اتار کے پیچھے کو ٹیک لگالی۔

تھوڑی دیر بعد ایک اوجیز عمر ٹوپی والا آدمی اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ بے بسی اور نا پسندیدگی کے طے جلے تاثرات تھے۔ سامنے بیٹھا ان قاتح اپنا قصہ دبائے بظاہر نرمی سے کہہ رہا تھا۔

”بھلی حکومت میں میں ٹھیک سے چار قانون بھی نہیں پاس کروا سکا تھا، فیروز۔ صرف اس لیے کہ میرے پاس پارلیمان میں کبھی اکثریت نہیں تھی۔ اس دفعہ ہے۔ لیکن اگر میرے ہی منسٹرز میرے خلاف قارورڈ بلاک بنا کے میرے ارکان کو توڑ لیں گے تو میں ایجوکیشن بل کیسے پاس کرواؤں گا جس کے لیے پچھلے چار ماہ سے ہم دن رات کام کر رہے ہیں؟“

”داتو سری.... اراکین آپ سے ناراض ہیں۔ آپ نے ان سے کیے وعدے پورے نہیں کیے۔ اگر آپ میری جگہ خود کو رکھ کے سوچیں تو....“

”میں تمہاری جگہ نہیں ہوں فیروز۔ تم اپنی جگہ خود کو رکھ کے سوچو۔ تمہارے بلاک کا کیا مستقبل ہے؟“ وہ ٹیک لگا کے بیٹھا اور پھر ویٹ ہاتھوں میں گھمانے لگا۔ ”صوفیہ رحمن کی کھلم کھلا حمایت تم کر نہیں سکتے۔ ہم سے کٹ کے تمہیں نہ فنڈز ملیں گے نہ تمہیں میڈیا ایک ہفتے سے زیادہ کوریج دے گا۔ کچھ عرصے بعد تمہارے ارکان ٹوٹ ٹوٹ کے واپس میرے پاس آجائیں گے۔ تم لوگ خسارے کا سودا کر رہے ہو۔“

آفس میں چند لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا۔ پھر فیروز نے پہلو بدلا۔

”داتو سری... ہمارے بغیر بل پاس نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ہمارے مطالبات سننے پڑیں گے۔“

”تم جانتے ہو میں نے تمہیں یہاں کس لیے بلایا ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔ آپ کو میرا استعفیٰ چاہیے۔“ وہ زہر خند ہوا۔ ”لیکن میرا استعفیٰ لے کر آپ خود کو میرے اور میرے بلاک

سکے دوٹوں سے محروم کر دیں گے، خسارے کا سودا آپ کر رہے ہیں۔“

”مجھے تمہارا استعفیٰ نہیں چاہیے۔ میں تمہیں ایجوکیشن کمیشن کا چیئر مین بنانے چاہا ہوں۔“

آفس میں سناٹا چھا گیا۔ فیروز دنگ سا اسے دیکھے گیا۔ ”اور میرے ساتھی اراکین؟ ان کو کیا ملے گا؟“

”کچھ بھی نہیں۔ تم ان کو راضی کرو گے کہ وہ میرے بل کے حق میں ووٹ دیں۔ کیسے راضی کرو گے؟ یہ تمہارا کام ہے۔“

وہ ٹیک لگائے بیٹھا بغور اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ ”تم میرے بہترین آدمیوں میں سے ایک ہو۔ ایجوکیشن کمیشن کی کرسی

تم سے زیادہ کوئی ڈیز رو نہیں کرتا۔ لیکن اس کے لیے بل کا پاس ہونا ضروری ہے۔ فیصلہ تمہارا ہے۔“

”ایٹش۔“ اس کے جانے کے بعد قاتح موبائل کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ ”فیروز راضی ہو گیا ہے۔ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔“

”اور باقی آدھا مسئلہ؟ شکری صاحب کے پاس بھی ناراض اراکین کا گروہ ہے۔ اس کو کس چیز لاکاؤ دیں گے ہم؟“

”نہیں وہ فیروز کی طرح کا نہیں ہے۔ میں اسے کچھ نہیں کہوں گا۔ سمجھو، ہمیں اس کی غداری کا علم ہی نہیں ہے۔ میں کیبنٹ میٹنگ میں جا رہا ہوں۔ میٹنگ میں اس کی پرفارمنس پہ ناراضی کا اظہار کروں گا۔ تم یہ خبر میڈیا کو دے دینا۔ چار دن تک رپورٹرز اس کی بری پرفارمنس پر اتنی خبریں چلائیں گے کہ میں اس کا استعفیٰ قبول کرنے پہ مجبور ہوں گا۔“

”یہ زیادہ اچھا ہے۔“

”ایٹش....“ وہ رکاوٹ اور ٹھہر کے سرسری سے اعزاز میں پوچھا۔ ”تم نے صبح کہا تھا کہ تم نے تالیہ کو دیکھا۔ مجھے ٹھیک بتاؤ... تم نے کیا دیکھا تھا۔“

”آجنگ.... دیکھیں... میں نے ایک لڑکی کو دیکھا تھا پارلیمان ہاؤس میں جس کی شکل تالیہ مراد سے بہت ملتی تھی۔ بس ایک جھلک دیکھی۔ اب مجمع میں اسے روک تو نہیں سکتا تھا۔ پہ نہیں وہ تالیہ تھی بھی یا نہیں۔“

”کیا وہ واپس آگئی ہے؟“ قاتح نے کرسی کا رخ موڑا اور کھڑکی سے نظر آتے سبزہ زار کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ ”اتنے سال بعد؟“

”آجنگ.... ہم حکومت میں ہیں۔ پولیس ہماری ہے۔ اگر وہ آگئی ہے تو چھپ نہیں سکے گی۔ اسے کوئی نہ کوئی ڈھونڈ لے گا۔ ریلیکس۔ آپ بل پہ فوکس کریں۔“

قاتح نے فون رکھا اور کھڑکی کی ساتھ دیوار پہ نصب وائٹ بورڈ کو دیکھا جس پہ دو خانے مار کر سے بنائے گئے تھے۔ دونوں خانوں میں رنگ برنگے چٹا طیسی گوٹ جڑے تھے۔ وہ کرسی سے اٹھا اور وائٹ بورڈ تک آیا۔ پس اور نو کے خانوں میں ”نو“ کے حصے میں آنے والے گوٹ زیادہ تھے۔

”فیروز واپس آگیا ہے۔ اس کے ساتھ اراکین بھی واپس آجائیں گے۔“ اس نے ایک ایک کر کے ”نو“ سے چھ گوٹ اٹھا کے پس کے خانے میں لگائے۔ حساب ابھی تک اس کے خلاف جارہا تھا۔ اسے اب بھی مزید ووٹ چاہیے تھے۔

”کیا سوچ رہے ہیں ڈیل؟“ آواز پہ وہ چوٹا۔ گردن موڑ کے دیکھا تو سفید فرائی والی بچی کو نے میں کھڑی تھی۔ اس نے سفید میز بینڈ لگا رکھا تھا اور سادگی سے ہلکیں جھپکاتی پوچھ رہی تھی۔

”میں سوچ رہا ہوں کہ میں اتنے سال سے اس کرسی پہ کیا کر رہا ہوں۔“ وہ واپس بورڈ کو دیکھنے لگا۔ ”میں یہاں لوگوں کی فلاح کے کام کرنے آیا تھا لیکن ایک دن بھی مجھے اپنوں اور غیروں نے سکون نہیں لینے دیا۔ یہ ہر روز میری کرسی کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں ہر روز اپنا تخت ان کو ہاتھوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ مجھے اپنی جاب پسند نہیں ہے، آریانہ اور اپنی جاب کو پسند نہ کرنا ایک شدید ذہنی اذیت ہے۔“

آریانہ خاموشی سے اسے سنے لگی۔ اب وہ زیادہ بولا نہیں کرتی تھی۔ یا شاید وہ ان قاتح کو اس کی آوازیں کم سنائی دیا کرتی تھیں۔

☆☆=====☆☆

ہوٹل کے کمرے کے پردے برابر تھے اور اندر صرف ٹیبل لیمپس کی روشنی پھیلی تھی۔ بیڈ سفید چادروں سے نقاست سے بنایا گیا تھا۔ سامنے دو صوفے رکھے تھے جن کے فائیں ہائیں ایسا وہ زرد لیمپ ان کانڈروں پہ روشنی بکھیر رہے تھے جنہیں تالیہ اور احمد نظام بیٹھے دیکھ رہے تھے۔

”چے تالیہ.... آپ کو گرفتاری دے دینی چاہیے۔ یا کم از کم مجھے ضمانت قبل از گرفتاری کروانے کی اجازت دیجیے۔“ وہ جو قاتل کے صفحے پلٹا رہی تھی سراسر اٹھا کے خفگی سے انہیں دیکھنے لگی۔ ”تالیہ وقت سے چھ سال پیچھے ضرور ہے لیکن بہت سوں سے اب بھی آگے ہے۔ ابھی اس سب کا وقت نہیں آیا۔“

”آپ کیا پلان کر رہی ہیں؟“

”مجھے قاتح سے ملنا ہے۔ ایڈم نے کہا ہے کہ میٹا تاج کی نمائش پہ مجھے ان سے ملو اے گا۔“ وہ ماتھے پہ سلوٹیں لیے صفحے پہ نظریں دوڑا رہی تھی۔

”مگر وہاں سکیورٹی ہوگی۔ آپ گرفتار ہو جائیں گی۔ اور میٹا تاج کون؟ وہ آرٹسٹ کم ٹیوٹ؟“

”جی۔ اور حیرت کی بات ہے ایڈم کو وہ بالکل یاد نہیں۔“

”کیا ایڈم صاحب بھی ان سے واقف تھے؟ یعنی چھ سال قبل؟“

تالیہ نے قاتل ہند کی اور گہری سانس لے کر انہیں دیکھا۔ ”آپ بوڑھے ہو رہے ہیں۔“

اسی لمحوں بجا تو احمد نظام چپ ہو گئے۔

”مس مراد.... آپ کے لیے اچھی خبر ہے۔“ ایڈم کا خوشگوار مگر پروفیشنل سالیج سنائی دیا۔ تالیہ کے ابرو تعجب سے اکٹھے

ہوئے۔ ”اشعر محمود کے بیٹے کی سالگرہ کا دعوت نامہ مجھے ابھی ملا ہے۔ آپ نمائش کی بجائے اسی سالگرہ پہ جاسکتی ہیں میرے

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

ساتھ۔“

”اچھا؟ کب ہے سالگرہ؟“

”کل شام۔ وقت اور جگہ میں فیکسٹ کر رہا ہوں۔ لیکن احتیاط کیجئے گا۔ یہ ٹریپ بھی ہو سکتا ہے اور آپ گرفتار بھی ہو سکتی ہیں۔“

”یوں آپ کی کہانی زیادہ دلچسپ ہو جائے گی۔“

”یہ تو ہے۔“

”تالیہ!“ کال بند ہوئی تو اسے سوچ میں گم دیکھ کے احمد نظام نے متنبہ کیا۔ ”آپ سوچیں بھی مت کہ آپ یہ خطرہ مول لے سکتی ہیں۔ آپ گرفتار ہو جائیں گی۔“

”کوشش میں کیا حرج ہے؟ مجھے فاتح سے ملنا ہے۔“

”اس روز پارلیمان میں اشعر نے آپ کو دیکھ لیا تھا۔ کیا معلوم یہ ایک ٹریپ ہو اور وہ آپ کے انتظار میں ہوں۔“

”میں محتاط رہوں گی۔ کوئی مجھے گرفتار نہیں کر سکتا جب تک کہ میں خود نہ چاہوں۔“ وہ اٹھی اور میز تلے سے ایک بیک پیک

اٹھا کے کندھوں پہ ڈالا۔ پھر ہڈ سر پہ گرا دی۔

”اور اگر آپ گرفتار ہو گئیں؟“ وہ افسوس سے اس کو کہیں جانے کے لیے تیار ہوتے دیکھ رہے تھے۔

”تو آپ مجھے جیل سے نکالنے کا کوئی طریقہ سوچ رکھیے گا۔ بس ایک دفعہ میں فاتح سے مل لوں، پھر بھلے گرفتار ہو جاؤں“

مجھے فرق نہیں پڑتا۔“ وہ پر عزم لہجے میں بولی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

”اتنا اعتماد اچھا نہیں ہوتا“ چہ تالیہ۔ دنیا جیسے سال آگے بڑھ چکی ہے۔ آپ ابھی تک وہیں کھڑی ہیں۔“

مگر وہ باہر نکل چکی تھی۔ انہوں نے افسوس بھری سانس خارج کی۔

تالیہ کے پلانز تھے۔ تالیہ کی مرضی۔

☆☆=====☆☆

صبران کی سالگرہ ایک ریستوران میں منائی جا رہی تھی۔ وہاں چند دوست احباب اور قریبی فیملی کے لوگ موجود تھے۔

ایک کٹنے سے کھانا لگنے تک اشعر محمود بے چین رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار مہمانوں میں معروف کھڑے خوش لباس سے فاتح

کی طرف اٹھتیں۔ پھر وہاں سے سفر کرتی سکیورٹی چیف تک چلی جاتیں۔ وہ اشعر کو دیکھ کے مایوسی سے نفی میں سر ہلاتا تو اشعر

کی بے چینی بڑھ جاتی۔

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

وہ نہیں آئی تھی۔ ٹریپ بنا کام کیا تھا۔

”ارد گرد موجو تمام سکیورٹی ٹیمز کو کوئی مشتبہ عورت نہیں نظر آئی۔“

پارٹی کے اختتام کے قریب سکیورٹی چیف اس کے پاس آیا اور سرگوشی میں بولا۔ اشعر نے برہمی سے ریسٹوران کے لاؤنج میں پھیلے مہمانوں کو دیکھا۔

”وہ آئے گی۔ وہ آجنگ سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔ ڈیسپریشن اس سے غلط حرکت کروائے گی۔“

”پورا ریسٹوران چیک کیا ہے۔ ہاتھ دروم۔ چھت۔ وہ نہیں آئی۔“ پھر وہ اس کے پاس نہیں رکا۔ آگے بڑھ گیا۔ اشعر کی نظروں نے اس کا تعاقب کیا۔ وہ وان فاتح کے قریب گیا اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔

”مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا سر۔ ہم نے آج ایک ٹریپ سیٹ کیا تھا.....“ وہ بتانا گیا۔

دور سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے اشعر کے لب بے بسی سے بچنے۔ وہ فوراً اس جانب لپکا۔ جب وہ قریب پہنچا تو اس نے فاتح کو کہتے سنا۔ ”جانتا ہوں۔ اشعر نے بتایا تھا۔“

اس کے بظاہر سرسری انداز پہ آفیسر قدرے پھیکا پڑ گیا۔ پھر فاتح کی نظریں اشعر سے ملیں تو وہ اپنے پردھان منتری کی آنکھوں میں در آنے والا غصہ پہچان گیا۔ فاتح ایک کٹیلی نظر اس پہ ڈال کے واپس مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن گاہے بگا ہے اشعر کی طرف نظر اٹھتی تو اس میں عجیب سی کاٹ ہوتی۔

”سر آپ کے لیے کال ہے۔“ اس کے پناے نے قریب آ کے اطلاع دی تو اس نے برہمی سے اسے ٹوکا۔

”ابھی نہیں۔“

”سر... کوئی احمد نظام ہیں۔ کسی تالیہ مراد کے وکیل۔ وہ بات کرنا....“ اس کا خرقہ مکمل ہونے سے قبل اشعر نے فون چھین لیا اور کان سے لگایا۔ ”ہیلو؟“ اس کا دل زور سے دھڑکا۔

”اشعر صاحب... میں احمد نظام بول رہا ہوں۔ آپ کو شاید میں یا وندھوں لیکن ایک زمانے میں....“

”مجھے آپ یاد ہیں۔“ وہ تیزی سے بولا۔ ”آپ نے کہا آپ تالیہ مراد کے وکیل ہیں؟“

”جی۔ میں ان کا وکیل ہوں۔ اور میں جانتا ہوں کہ آپ ان کی تلاش میں ہیں لیکن میں آپ کو وارن کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے میری کلائٹ کو کسی...“ شور کے باعث آواز کٹنے لگی۔

”آپ ایک مفروضہ سے رابطے میں ہیں؟“ وہ چہرہ جھکائے بات کرنا دروازے کے قریب چلا گیا جہاں رش کم تھا اور سکتل بہتر تھے۔

”دیکھیں اشعر صاحب، وہ میری کلائنٹ ہیں۔ اور میں ان کی ضمانت قبل از گرفتاری کی درخواست دائر کر رہا ہوں۔ تالیہ نے آپ کی بہن کا قتل نہیں کیا تھا۔ یہ ایک غلط فہمی تھی۔“

”اسی لیے وہ اتنے سال غائب رہی؟“ سکتل کمزور تھے اور آواز پھر سے کٹنے لگی تو وہ ریستوران سے باہر نکل آیا۔ ایک مختلط نظردان قاتح پہ بھی ڈالی جو اپنے مہمانوں کے ساتھ مصروف تھا۔ آواز بہتر ہوئی تو وہ اسی درشتی سے کہنے لگا۔

”ہم مل بیٹھ کے اس معاملے کو حل کر سکتے ہیں۔ میں تالیہ کو آپ سے بات کرنے پہ راضی کر سکتا ہوں۔ وہ صرف پردھان منتری سے ایک دفعہ ملنا چاہتی ہے۔“

”میری تالیہ مراد سے بات اب کورٹ میں ہوگی۔“ وہ ریستوران کے برآمدے کے اسٹیپ پہ کھڑا درشتی سے کہہ رہا تھا۔ آنکھوں میں تنفر تھا۔ نظریں سامنے سڑک پہ گزرتی گاڑیوں پہ جمی تھیں۔ ان کے پار ایک پلازہ تھا جس کی کچھ دکانیں بند ہو چکی تھیں اور کچھ کھلی تھیں۔

”اشعر صاحب پلیز... اس کا حق ہے کہ اسے سنا جائے۔“

لیکن اشعر محمود اس کو نہیں سن رہا تھا۔ اس کی نظریں سڑک کے پار جمی تھیں۔ وہاں درخت کے ساتھ ایک بڑا انسانواری وجود کھڑا تھا۔ اسٹریٹ پول کی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ گردن ذرا ترچھی تھی جیسے وہ ریستوران کی شیشے کی دیوار کے پار شمالی حصے کو دیکھ رہی تھی۔ یہاں سے اس کی آنکھیں نہیں دکھائی دیتی تھیں لیکن... اشعر نے رخ پھیر کے دیکھا... وہ اندر سے نظر آتے قاتح کو دیکھ رہی تھی... سایے میں کھڑی لڑکی... جیبوں میں ہاتھ ڈالے... ہڈی سر پہ گرائے... اشعر نے کال کائی اور دھیرے سے سیکورٹی آفیسر کا نمبر ملایا۔ پھر فون کان سے لگائے آگے بڑھا۔

ابھی اس نے ایک طرف کی سڑک پار کی تھی جب بڑا والی لڑکی نے اسے دیکھ لیا۔ درمیان میں دو تین گاڑیاں زن سے گزریں اور اس نے لڑکی کو مڑ کے بھاگتے ہوئے دیکھا۔ وہ کسی بھی شے کی پرواہ کیے بغیر اس کے پیچھے دوڑا۔

گاڑیوں کے ہارن چیخے۔ بڑیک چڑھائے۔ وہ سڑک کنارے آگے بھاگتی جا رہی تھی۔ اشعر پوری رفتار سے اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ فون کان سے لگا تھا اور سیکورٹی آفیسر کا نمبر بڑی بل رہا تھا۔ (فون اٹھاؤ ایڈریٹ۔)

وہ ایک موٹر کے غائب ہو گئی۔ وہ تیزی سے دوسری طرف آیا تو ایک جھلک سی دکھائی دی۔ سامنے والی عمارت کے زیر زمین پارکنگ کی طرف اس نے ایک ہیو لے کو گم ہوتے دیکھا تھا۔ ایک سیکنڈ کا عمل تھا۔ وہ تیزی سے پارکنگ ایریا کی طرف بھاگا۔

اندروں دور دور تک گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ بھاری ستونوں نے پارکنگ لائٹ کی چھت کو سہارا دے رکھا تھا۔ مدھم

بتیاں روشن تھیں۔ سناٹا چھایا تھا۔ دور دور تک اس کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

”تالیہ...“ اس نے بلند آواز میں پکارا اور احتیاط سے قدم اٹھاتا آگے بڑھنے لگا۔ ”مجھے معلوم ہے تم کسی ستون کے پیچھے چھپی ہو۔ اب چھپنے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔“ وہ اسے پکار رہا تھا۔ فون اب نیچے کر دیا تھا۔
نظریں ادھر ادھر تعاقب میں دوڑ رہی تھیں۔

”ہا ہر آ جاؤ... اب تمہارے پاس کوئی راہ فرار نہیں ہے۔“ اس کی آواز پارکنگ لائٹ کی دیواروں سے پلٹ پلٹ کے سنائی دینے لگی۔

”تالیہ... جیم اگر...“

وہ ایک قدم آگے بڑھا اور جانے کس ستون کے پیچھے سے وہ نکل کے آئی اور پورے قوت سے اپنا بیگ اس کے منہ پہ مارا۔ وہ پلٹ کے پیچھے کو جاگرا۔ وہ بھاگنے لگی لیکن اشعر نے اس کو ٹخنے سے پکڑ کے کھینچا۔ وہ لڑھک کے نیچے جاگری۔ پھر وہ اٹھنے لگی جب اشعر نے اسے کندھوں سے دیوچ کے نیچے گرایا۔ تالیہ نے زور سے اپنا سر اس کے منہ پہ مارا۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ اشعر چکرا گیا۔ گرفت ڈھیلی پڑی۔ دونوں کے چہروں سے خون کے فوارے پھوٹے۔
”مجھے اکیلا چھوڑ دو۔“ وہ غرائی اور زوردار مکا اس کے منہ پہ مارا۔

اس کی مٹھی میں کچھ تھا اس لیے کئے کی شدت بہت زور سے محسوس ہوئی۔ اشعر محمود کا سارا وجود چکرا گیا۔ وہ اومدھا ہو کے زمین پہ جاگرا۔ وہ انھی اور اس کے سر کی پشت پہ ایک ضرب مزید لگائی۔ اشعر کا دماغ اندھیروں میں ڈوبتا گیا۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

چند منٹ بعد اس کے حواس بحال آئے اور اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا... وہ تنہا وہاں پڑا تھا۔ وہ کہنیوں کے بل اٹھا اور منہ سے نکلتا خون آستین سے پونچھا فون مسلسل بج رہا تھا۔ اس نے اسکرین پہ وقت دیکھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ تین چار منٹ ہی بے ہوش رہا ہوگا۔

”میں ادھر سامنے بازارہ کی پارکنگ میں ہوں۔ وہ ابھی یہیں تھی۔ زیادہ دور نہیں گئی ہوگی۔“ اس کا سر چکرار ہا تھا۔ بدقت کھڑے ہوتے ہوئے اس نے فون پہ ہدایات جاری کیں۔ ”اروگر وہ تمام سی سی ٹی وی کیمرز کا جائزہ لو۔ وہ کس سمت میں گئی ہے۔ اس کو ٹریس کرو۔“ وہ غصے سے غراتا ہوا اٹھا اور نائی ڈھیلی کی۔
”اسے ٹریس کرنا اتنا مشکل نہیں تھا سر۔“

کچھ دیر بعد وہ سڑک کنارے ایک سیاہ میٹھوں والی کار میں بیٹھا تھا۔ آئس بیگ ماتھے پہ رکھے وہ غور سے سکیورٹی آفیسر کو

سن رہا تھا جو قاتحانہ انداز میں بتا رہا تھا۔

”سامنے والی دکان کے کمرے میں وہ ٹیکسی پہ سوار ہوتی نظر آئی تو ہم نے ٹیکسی کو چند بلاک دور تک ٹریس کر لیا۔ اس نے ٹیکسی بدل لی اور دوسری میں سوار ہو گئی۔ ہم نے ٹریفک کیمرے سے اس کو بھی ٹریس کر لیا اور فی الحال اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ وہ زیادہ دور نہیں جاسکے گی۔“ پھر اس کی زخمی حالت دیکھی۔ اشعر کے ماتھے پہ گوڑ بن چکا تھا اور ناک سے بہتا خون اب بمشکل رکھا تھا۔ ”آپ ٹھیک ہیں؟“

”ہاں۔ میں گر گیا تھا۔ اس لیے۔“

سیکیورٹی آفیسر زیر لب مسکرایا۔ دفعتاً اس کے کان میں لگے آلے میں آواز سنائی دی۔ اس نے دھیان سے سنا اور پھر قاتحانہ انداز میں مسکرا دیا۔

”مبارک ہو! سر۔ تالیہ مراد کو سسٹل پہ روک کے ٹیکسی سے نکال کے گرفتار کر لیا گیا ہے۔“
اشعر کا آکس بیک والا ہاتھ نیچے گر گیا۔ وہ ششدر سا اسے دیکھنے لگا۔ یقین نہیں آیا تھا۔
”تمہیں یقین ہے وہ تالیہ ہی ہے؟“

”جی ہر۔ اور اس کے ماتھے سے بھی خون بہہ رہا ہے۔ شاید وہ بھی گری تھی۔“

”میں نے اسے گرایا تھا۔“ وہ نفرت سے پھنکارا اور آکس بیک پرے ڈال دیا۔ اس کا چہرہ بیک وقت کئی جذبات کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ ”مجھے یقین نہیں آیا۔ مجھے شوت دکھاؤ۔“

آفیسر نے موہاٹل پہ اپنے ایک اہلکار کو ویڈیو کال ملائی اور پھر اسکرین اس کے سامنے کی۔ وہاں وہ اہلکار زخمی چہرے والی تالیہ مراد کو پولیس کار میں بٹھاتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ تالیہ ہی تھی۔ وہ واقعی تالیہ ہی تھی۔

وان قاتح جس وقت گھر میں داخل ہوا ملاؤج کے صوفے پہ بیٹھی جولیانہ (جو انٹیلیجنٹ سوشل ہونے کے باعث ساگرہ پہ نہیں مچی تھی) تیزی سے اس کی طرف لپکی۔ اس کا چہرہ فق تھا۔

”ڈیڈ.... تالیہ مراد ریست ہو گئی ہے۔“

اس فقرے نے قاتح کو بالکل منگ کر دیا۔ اس کی ششدر نظریں ٹی وی اسکرین کی طرف اٹھیں۔

”ایک حیرت انگیز نوٹس۔ قریباً چھ سال بعد عصرہ محمود کے قتل کی طرہ تالیہ مراد منظر عام پہ آگئیں۔“ اسکرین پہ نظر آتی رپورٹر جوش سے بتا رہی تھی۔

”پولیس نے تالیہ مراد کو بخبری کے بعد ایک ٹیکسی سے سرراہ گرفتار کر لیا۔ آپ کو بتاتے چلیں کہ تالیہ مراد کو عصرہ محمود کے قتل

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

کیس میں پولیس کی طرف سے اشتہاری قرار دے دیا گیا تھا۔ اور جیسے برس تک پولیس ان کو پکڑنے میں ناکام رہی تھی۔ لیکن بالآخر پولیس کی کوششیں رنگ لائیں اور تالیہ گرفتار ہو گئیں۔ یاد رہے کہ وہ ایک زمانے میں پرومان منتری کی چیف آف اسٹاف اور فیملی فرینڈ ہوا کرتی تھیں۔ تالیہ مراد اس وقت ایک معروف سوشلائسٹ لیبر آرگنٹ بھی تھیں جو.....“

بیچے ٹی وی اسکرین پہ پولیس اسٹیشن کے خصوصی مناظر دکھائی دے رہے تھے جہاں ایک سیاہ بڑی والی لڑکی کو پولیس کار سے نکال کے اندر لے جایا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں جھکڑیاں تھیں۔ اندر لے جاتے ہوئے اس نے ذرا سا چہرہ موڑ کے بیچے کھڑے کیمروں اور رپورٹرز کے ہجوم کو دیکھا اور پھر گردن موڑ لی۔ وہ اسے اندر لے گئے۔ بیچے سیکنڈ کایہ کلپ چینل والے بار بار دکھا رہے تھے۔ اور وہ اسے بار بار دیکھ رہا تھا۔

جیسے سال بعد آج بھی وہ چہرہ ویسا ہی تھا۔ وہی ہال۔ وہی غزال آنکھیں۔ لب کاٹھے جھکایا ہوا سر۔ ماتھے سے بہتا خون۔ وہ ششدر سالانہ ڈنچ کے وسط میں کھڑا اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے سال درمیان سے غائب ہو گئے تھے۔
 ”اب کیا ہو گا ڈیڈ؟“ وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔ آج وہ جولیانہ کو تسلیم نہیں دے سکتا تھا۔ بدقت اتنا ہی بولا۔
 ”سب ٹھیک ہو جائے گا، جولی۔ کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ ریلیکس۔“ جب سے فون لگا لیتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔
 بند ہارا کو ایک قیدی سے ملاقات کا انتظام کرنا تھا۔

☆☆=====☆☆

پولیس اسٹیشن کے باہر مختلف نیوزیٹ ورکس کی ڈی ایس این جیہر کھڑی نظر آ رہی تھیں۔ سڑک پہ رپورٹرز لیور کیمروں کا رش لگا تھا۔ کیمرو لائٹس سے رات میں دن کا سا سماں لگتا تھا۔ پولیس نے پٹی لگا کے حد بندی کر رکھی تھی لیور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔

ایک انٹرویو گیشن روم میں میز کے دونوں اطراف ایک ایک کرسی رکھی تھی۔ ایک طرف آئینے کی دیوار تھی۔ ایک کرسی پہ بیٹھی بڑی والی لڑکی ماتھا میز پہ نکائے ہوئے تھی۔ تبھی دروازہ کھلا اور پولیس اسٹیشن کا شور پولیس کشنر کے ساتھ اندر آیا۔ اگلے ہی لمحے کشنر نے دروازہ بند کیا تو شور کا راستہ بھی رک گیا۔ وہ سانولی رنگت اور سپاٹ چہرے والا کشنر آستینیں جڑھائے ایک فائل لیے خالی کرسی تک آیا۔ نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔

”آپ کی مرہم پٹی کر دی گئی ہے۔ امید ہے اب آپ بہتر محسوس کر رہی ہوں گی۔“

اس نے سر اٹھایا۔ تیز روشنیوں سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ماتھے پہ سلوٹیں تھیں۔ چہرے پہ بے بسی کے ساتھ غصہ بھی تھا۔ ماتھے اور گال پہ بیٹن ج لگا تھا اور ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔ چند لٹوں پہ خون جمان نظر آ رہا تھا۔ آنکھ کے قریب چوٹ لگنے

Downloaded from **Paksociety.com**

سے وہاں پہلی ڈیلا ہٹ ہرگز رتے لمحے کے ساتھ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

”ہڈا تار دیں۔“ کمشنر نے بیٹھے ساتھ اس کے سر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سیدھی ہو کے بیٹھی آنکھوں کی پتلیاں سکڑے غصے سے اسے دیکھ گئی۔ پھر ہڈ پیچھے گرا دی۔

”آپ کو یہ زخم کیسے پیش آئے؟“ وہ اس کے سامنے بیٹھا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

”لائٹ آہستہ کر دیں۔“ اس نے ماتھے کے اوپر ہاتھ کا چھجا ہٹا لیا۔ چہرے پہ خوف سا پھیلنے لگا تھا۔

”آپ کو اندھیروں میں رہنے کی عادت ہو گئی ہے شاید۔ اسی لیے آپ یہاں کسی کو فیس نہیں کر پار ہیں۔“

”مجھے... مجھے اپنے آفس میں لے جائیں۔ میں یہاں نہیں بیٹھ سکتی۔“ اس نے سر جھکا دیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ وہ روشنی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”کیا آپ کو روشنی کا فوبیا ہے؟“

اس نے چہرہ اٹھا کے برہمی سے کمشنر کو دیکھا۔ ”مجھے ایک دفعہ پہلے بھی اسی طرح گرفتار کیا گیا تھا۔ مگر وہ سب ایک پرنک تھا۔ مجھے اس... اس تقیثی کمرے کا فوبیا ہے۔“

”ہوں۔ یہاں آنے سے وہ ساری یادیں واپس آ رہی ہیں؟“

تالیہ نے کرب سے آنکھیں میچ لیں اور سر جھکا دیا۔ دونوں ہاتھ کنپٹیوں پہ رکھ لیے۔

”آپ اتنا عرصہ کہاں تھیں؟“

”میں اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں کچھ نہیں بولوں گی۔“ سختی سے آنکھیں میچے وہ بولی۔

”ابھی آپ نے اپنے وکیل کو جو کال کی تھی وہ آپکے فون پہ میں نے سنی تھی۔ وہ آپ سے کہہ رہے تھے کہ ہم پولیس والے

آپ کو بلانے پہ اکسائیں گے اور آپ نے صرف خاموش رہنا ہے۔ لیکن چھ تالیہ...“ وہ آگے کو ہوا اور نرمی سے بولا۔ ”ہم

آپ کے دشمن نہیں ہیں۔ آپ جب تک اپنی کہانی ہمیں نہیں سنائیں گی ہم کیسے آپ کی مدد کریں گے۔“

وہ کنپٹیوں پہ ہاتھ رکھے آنکھیں میچے بیٹھی رہی۔

”آپ نے عصرہ کا قتل کیوں کیا؟“

”میں نے عصرہ کا قتل نہیں کیا۔“ اس نے آنکھیں کھولیں اور کمشنر کو دیکھ کے غرائی۔

”یعنی آپ بے قصور تھیں؟“ آفیسر کا لہجہ مزید نرم ہوا۔ تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ پلکیں جھپکائیں۔ کمشنر کو محسوس ہوا وہ

آنکھوں کو تیز روشنی کا عادی کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

”آپ میرے ساتھ گڈ کاپ کھیل رہے ہیں؟ میں کچھ نہیں بولوں گی۔“

”نہیں۔ مجھے واقعی اس کیس کے مندرجات پہ شک ہے۔ آپ میرے ساتھ تعاون کریں تو ہم کوئی حل نکال لیں گے۔ لیکن اگر آپ بے قصور تھیں تو چھ سال تک مفرد کیوں رہیں؟“

”میں مفرد نہیں تھی۔“ وہ تیزی سے بولی۔ پھر دروازے کو دیکھا۔ ”میرے وکیل ابھی تک کیوں نہیں آئے؟“

”تو پھر آپ کہاں تھیں؟“ وہ اس کی آنکھوں سے لگا ہیں ہٹائے بغیر بولا۔

”میں....“ اس نے لب کاٹے۔ ”میں اپنی مرضی سے غائب نہیں ہوئی تھی۔“

”یعنی کسی نے آپ کو غائب کیا تھا؟“

آئینے کے پار تین افسران کھڑے فور سے اس کمرے میں جھانک رہے تھے۔ تالیہ ان کو نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن وہ اسے دیکھ سکتے تھے۔ ان کے پاس نصب اسکرینز پہ اس کے چہرے کا کلوز اپ دکھایا جا رہا تھا۔ اس کا ہر لفظ ریکارڈ کیا جا رہا تھا۔

”مجھے.... مجھے اغوا کیا گیا تھا۔“ اس نے کہنے کے ساتھ خشک لبوں پہ زہان پھیری۔ دیوار پہ لگی تیز روشنی اس کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی۔

”کس نے اغوا کیا تھا آپ کو؟“

”مجھے نہیں پتہ۔ میں نے اغوا کاروں کا چہرہ نہیں دیکھا۔“ اس نے پھر سے دروازے کو دیکھا۔ مٹھیاں میز پر رکھے وہ روشنی کے باعث چہرے کو ترچھا کیے بیٹھی تھی۔ افسر کی آنکھوں میں نہیں دیکھ رہی تھی۔

”تالیہ.... آپ کو اپنا دعویٰ ثابت کرنا پڑے گا۔“ کشن کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔ تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

”چھ سال تک آپ کو کس نے اغوا کر کے رکھا ہاں؟“ وہ اب سختی سے پوچھ رہا تھا۔

”مجھے.... نہیں پتہ۔“

”انہوں نے آپ کو اغوا کر کے جس جگہ رکھا تھا اس کے بارے میں بتائیں۔“

وہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ ”پتہ نہیں۔ میری آنکھوں پہ پٹی تھی۔“ توقف سے سوچ سوچ کے بولنے لگی۔ ”جب پٹی کھلتی تو ایک... مستطیل سا کمرہ نظر آتا۔“

”اس کمرے میں کوئی دروازہ تھا؟“

”نہیں۔ ہاں۔ ہاں تھا۔“ وہ تیزی سے بولی۔ تیز روشنی کے سامنے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا پھر سے بنالیا۔ ”اصل میں وہ کمرہ نہیں تھا۔“

”اچھا۔ وہ کیا تھا؟“ وہ محل سے بولا۔

”وہ.... کسی سڑک کا کنیٹر تھا۔ وہ... وہ موو کر رہا ہوتا تھا۔ کیا آپ اس روشنی کو ہلکا نہیں کر سکتے؟“

”کسی خواکار کی شکل دیکھی تھی آپ نے؟“

”نہیں۔ انہوں نے ماسک پہن رکھے تھے۔“

”آف کورس انہوں نے ماسک پہن رکھے تھے۔“ وہ بزداری چھپا کے بولا۔ ”آپ وہاں سے کیسے بھاگیں؟“

”میں.... پتہ نہیں۔ میں نے ایک دن ایک خواکار پہ حملہ کر دیا جب وہ میرے ہاتھ باندھ رہا تھا۔ میں اسے گرا کے باہر

نکل آئی۔ وہ ملا کہ کی کوئی سڑک تھی۔ بس میں وہاں سے بھاگ گئی۔“

”جس سڑک پہ آپ اس کنیٹر سے نکلیں... وہ سڑک یاد ہے کون سی تھی؟“

”جو کمراسٹریٹ۔“ وہ تیزی سے بولی۔

”اور کنیٹر کارنگ کیا تھا؟“

”رنگ؟“ وہ فکر کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”اگر آپ یہ دیکھ سکتی ہیں کہ وہ سڑک کون سی تھی تو یقیناً ایک دفعہ مٹر کے اس کنیٹر کو بھی دیکھا ہوگا جواتنے سال سے آپ کو

مقید کیے ہوئے تھا۔“

”پتہ نہیں۔ رات تھی۔ میں نے غور نہیں کیا۔ میرا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ نیلایا شاید سرخ۔ شاید دونوں رنگ تھے۔“

”اور اس کا نمبر کیا تھا؟ اب یہ مت کہیے گا کہ آپ نے نمبر پلیٹ بھی نہیں دیکھی۔“

”نہ... نمبر پلیٹ پہ مٹی لگی تھی.... آخر میں ڈبل سیون آتا تھا۔“

”عصرہ محمود سے آپ کا تعلق کیسا تھا؟“

وہ ایک دم چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ پھر سیدھی ہو کے بیٹھی۔

”میں اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں مزید کچھ نہیں کہوں گی۔“ وہ تیزی سے بولی تو کمشنر ہلکا سا مسکرایا۔ اس نے چند سوال

مزید پوچھے لیکن وہ سختی سے لب آپس میں پیوست کیے بیٹھی رہی۔

اسی اثناء میں دروازہ کھلا اور ایک سپاہی احمد نظام کو ساتھ لیے اندر داخل ہوا۔ تالیہ نے گہری سانس اندر کھینچی۔

”آپ نے کچھ کہا تو نہیں؟“ انہوں نے دوسری کرسی سنبھالتے ہوئے تالیہ کو فور سے دیکھا۔ اس نے بس امر واپکا دیے۔

”آپ کی کلائنٹ نے چھ سال تک قید میں رکھے جانے کی ایک قلمی کہانی سنائی ہے جو اگر جھوٹی نکلے تو یہ مزید مشکل میں پڑ

Downloaded from Pakvociety.com

جائیں گی۔“ کشنر محظوظ انداز میں بولا تو احمد نظام نے صدمے سے اسے دیکھا۔

”اب آپ خاموش رہیں گی۔“ انہوں نے اسے گھور کے کہا۔ پھر کاغذات سامنے رکھتے ہوئے ایفیسر کی طرف گھوڑے۔ اس نے پھر سے سر جھکا دیا اور آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ تیز روشنی کا راستہ اب رک گیا تھا۔

☆☆=====☆☆

اشعر جس وقت گھر میں داخل ہوا ملازم نے اطلاع دی کہ قاتل اس کا اسٹڈی میں انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس لمحے کے لیے تیار تھا۔ اس لیے راہداری کی سیدھ میں آگے بڑھتا گیا۔ لیکن اسٹڈی میں داخل ہوتے ہی وہاں کا منظر اسے چوٹا گیا۔ قاتل اکیلا نہیں تھا۔ اس کے دو قانونی مشیران اس کے سامنے کاغذات اور قائلز پھیلائے بیٹھے تھے۔ وہ ناخوشی سے ان میں سے ایک کو سن رہا تھا جو بہت فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔

”والتو سری.... آپ ایک قتل کے الزام میں گرفتار ملزمہ سے نہیں مل سکتے۔ یہ بہت بڑا الٹو بن جائے گا۔“

”میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے تاکہ آپ اس ملاقات کو ارجح کریں تاکہ مجھے نصیحت کریں۔“ وہ ماتھے پہ ہل ڈالے بولا۔ آستین موڑے ہائی ڈھیلی کیسٹہ اپنی کرسی پہ بیٹھا شدید برہم نظر آتا تھا۔

”سریہنا ممکن ہے۔ آپ پولیس اسٹیشن گئے تو اسکیٹل بن جائے گا۔ وہ آپ کی مرحومہ بیوی کے قتل کے الزام میں گرفتار ہے۔ آپ کا اس سے بات کرنا قانونی صحیحہ گیوں کا موجب بنے گا۔ اور ہم اسے اس وقت پولیس اسٹیشن سے نکال کے کہیں اور نہیں لا سکتے۔“

”آپ اس سے ملنا چاہتے ہیں؟“ چمکٹ پہ کھڑے اشعر نے بے یقینی سے کہا تو قاتل نے برہم نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ اشعر کے ناک اور گال پہ بیڈنچ لگے تھے۔ اور ایک آنکھ پہ نل کا نشان تھا۔

قاتل اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ محفل برخاست ہونے کا اشارہ تھا۔ دونوں حضرات اپنی قائلز سمیٹ کے وہاں سے اٹھ گئے۔

وہ دونوں اکیلے رہ گئے تو اشعر نے دروازہ بند کیا اور اس کے عین سامنے آکھڑا ہوا۔

”آپ کو اب بھی اس سے ہمدردی ہے؟“ اس نے بے یقینی اور غصے سے پوچھا۔

”تم نے اس کے لیے جال تیار کیا اور مجھے بتانا تک مناسب نہیں سمجھا؟ تم مجھ سے پوچھتے بغیر اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتے ہو؟“ وہ اس سے زیادہ غصے سے بولا تھا۔

وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور ان کے درمیان فقط ایک میز حائل تھی۔ اسٹڈی کی دیواریں.... کرسیاں... اور

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

فانکوں کے ڈھیر خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

”وہ میری بہن کی قاتل ہے۔ میں اسے سو دفعہ گرفتار کرواؤں گا۔“ اشعر کی آواز اونچی ہونے لگی۔

”وہی بہن جس کو جعلی پیسنگ دلو کے تم زمانے میں بدنام کرنے کا پلان کر رہے تھے؟ اس سب کے باوجود میں نے تمہیں اتنے سال اپنے ساتھ نہیں رکھا؟“

”لوہ.... اس طرح اس کا دفاع کرنے کا سوچیں بھی مت، وان فاتح۔“ وہ سرخ چہرے کے ساتھ چلایا۔

”اور تم مت بھولو کہ تم کس سے بات کر رہے ہو۔ یہ جو تمہارا مقام اور مرتبہ بنا ہوا ہے نا اشعر، یہ میرے ایک دھنپ سے ختم بھی ہو سکتا ہے۔“ اس نے انگلی سے سینے پہ دستک دے کر غرا کے کہا تو اشعر ایک لمحے کے لیے چپ ہو گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے دکھنا اب سیاہ پڑنے لگا تھا۔

”تالیہ نے عصرہ کا قتل نہیں کیا تھا۔ تم نے اس کو جتنا نقصان پہنچانا تھا، پہنچالیا۔ مجھے یقین ہے وہ اپنی بے گناہی ثابت کر لے گی۔ لیکن اب تم اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کرو گے۔“ وہ اسے سختی سے تنبیہ کر رہا تھا۔

اشعر دونوں منٹیاں میز پر رکھ کے آگے جھکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”یہ آپ کی بھول ہے کہ آپ مجھے اپنی بہن کی قاتل کے خلاف کچھ کرنے سے روک سکتے ہیں۔“ پھر زور سے میز پر ہاتھ مارا۔

”تو پھر سن لو۔ میں اس کی ہر ممکن مدد کروں گا۔ اور میں اسے جیل سے نکال بھی لوں گا۔ تم مجھے نہیں روک سکو گے۔“

اشعر نے پھر سے میز پر ہاتھ مارا اور غصے سے تن فن کرنا باہر نکل گیا۔ اپنے پیچھے اس نے دروازہ زور سے بند کیا تھا۔ فاتح نے نوچنے والے امداد میں ٹائی کھینچی اور فون اٹھالیا۔

”کیا آپ ڈیٹ ہے؟“ کچھ دیر بعد اپنی کرسی پہ بیٹھے وہ سنجیدگی سے فون پہ پوچھ رہا تھا۔ عصرہ نے ہی سب غائب تھا اور اس کا انداز اب ٹھنڈا تھا۔

”اثیر و گیشن جاری ہے۔ اس کا کیل آچکا ہے۔ وہ قتل کے بارے میں کچھ نہیں بتا رہی۔“

”کون ہے اس کا کیل؟“

”احمد نظام۔ وہ ایک سابق پراسیکیوٹر تھا اور....“

”میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔ کیا اس نے بتایا ہے کہ اتنے سال وہ کہاں تھی؟“ پوچھتے ہوئے اس کی گردن میں کلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

”اس کا کہنا ہے کہ اسے انہی کا کیا گیا تھا اور اتنے سال قید میں رکھا گیا۔ مگر اس کے انداز سے لگتا ہے وہ جھوٹ بول رہی ہے یا خوف کا شکار ہے۔“

”ہوں۔ مجھے آگاہ کرتے رہنا۔“ اس نے پرسوج نظروں سے دور خلا میں دیکھتے ہوئے کہا اور فون پرے ڈال دیا۔ ایک دم سس کی ساری دنیا ہی ٹپٹ ہو کے رہ گئی تھی۔

چھ سال بعد وہ واپس آئی تھی۔ چھ سال وہ کہاں رہی وہ اس سے کیوں نہیں پتی اور اب اس کی زندگی میں کیا کیا بدل چکا تھا۔۔۔ ان سوالوں کے جوابات صرف تالیہ مراد کے پاس تھے۔ اور اس سے ملاقات کے سارے سارے بند تھے۔

☆☆=====☆☆

سری پر دھانہ کی کڑکیوں سے چھن کے آتی سرما کی دھوپ سارے آفس کو سینک رہی تھی۔ وان فاتح اپنی کرسی پہ بیٹھا ایک فائل کے صفحے پلٹا نظر آ رہا تھا۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور سوٹ میں ملبوس شاہدان اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں آج بھی ایک سیاہ فولڈر تھا۔ وہ فاتح کو مخاطب کیے بغیر آگے آیا اور فولڈر میٹل میں رکھا۔ پھر میز کے سامنے جا کھڑا ہوا اور کھٹکھٹا۔ فاتح نے فائلوں سے سر اٹھا کیا ایک سوائیہ نظر اس پہ ڈالی۔

”یا تک دی امان بر حرمت۔۔۔ مجھے آپ کو آگاہ کرنا تھا کہ۔۔۔ آج تالیہ مراد کی عدالت میں پیشی تھی۔ ان کے وکیل نے ضمانت کی درخواست دائر کی تھی۔“

”اور؟“

”ان کی ضمانت عدالت نے منظور کر لی ہے۔ ان کو رہا کر دیا گیا ہے۔“

ایک لمحے کے خاموش وقفے کے بعد فاتح نے سر کو خم دیا اور بولا۔ ”اوکے۔ اور کچھ؟“

”عدالت نے ضمانت کی رقم کافی بھاری مقرر کی تھی۔“

”کس نے رقم ادا کی؟“

”اینگلینڈ پرینس ایلم بن محمد نے۔ اس نے ٹرمینل کی ہے کہ اس نے تالیہ مراد کی کہانی کے رائٹس خرید لیے ہیں۔“

”ٹرائل کب شروع ہو رہا ہے؟“

”غالباً دو ہفتے بعد۔“

”ہوں۔ سلطان عبدالملک تشریف لے آئے؟“ اس نے واپس کام کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔

”قریباً تین منٹ تک وہ پہنچ جائیں گے۔“ شاہدان نے ایک نظر پیچھے میٹل پر رکھی سیاہ فائزر کے اکٹھے ہوتے ڈھیر کو

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”میں تاریخ سے واقف ہوں یا نگ دی امان برحرمت۔“

”پھر آپ اس بات سے بھی واقف ہوں گے کہ جدید دنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ جیسے میں پانچ سال کے لیے منتخب ہو کے آتا ہوں ویسے ہی سلطان بھی منتخب ہوتا ہے۔ میرے اور آپ میں فرق ہے تو انکو۔“

”جیسا کہ؟“

”آپ کو بنگالی (کار) پہ سفر کرنے کی اجازت حاصل ہے۔ لیکن پردھان منتری صرف اپنے ملک کی بنی کار استعمال کر سکتا ہے۔“ وہ ہر دسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ سلطان مسکرا دیے اور ابرو اٹھائی۔

”آپ نے صرف یہ فرق جتانے کے لیے تو مجھے نہیں بلایا۔“

”جی تو انکو۔ دوسرا فرق ہم میں یہ ہے کہ پردھان منتری ہمیشہ سلطان سے زیادہ اختیارات رکھتا ہے۔ آپ کا انتخاب تین ماہ قبل ہوا تھا۔ اس سے پہلے آپ ریاست کے حکمران تھے۔ نوریاستوں کے حکمرانوں نے آپ کو چنا اور یہاں تک پہنچایا۔“

”آپ کھل کے بات کریں وان قاتح۔“ وہ مسکرا کے بولا۔

”تو انکو۔“ وہ بھی مسکرایا۔ ”میں جانتا ہوں آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ بھی کہ چار ریاستوں کے سربراہ میرے خلاف آپ کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ صوفیہ رحمن سے آپ کی ہمدردی برقرار ہے۔ اسی لیے میرے بل کو پاس ہونے سے روکنے کے لیے میرے اراکین کو آپ توڑ رہے ہیں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے توڑ توڑ کے کہہ رہا تھا۔

”اور آپ ان اراکین کو نو نچے عہدوں کا لالچ دے کر واپس بلارہے ہیں۔“

”لوگ مجھ پہ اعتبار کرتے ہیں تو انکو۔ لیکن جن نوریاستوں کے حکمرانوں نے آپ کو سلطان بنایا ہے کیا وہ آپ پہ ہمیشہ اعتبار کرتے رہیں گے؟“

”یہ وقت بتائے گا کہ کون کس کو کرسی سے ہٹائے گا“ داتو سری۔“

ایک خاموشی کا وقفہ دونوں کے درمیان حائل ہوا۔ پھر قاتح نے گہری سانس لی اور افسوس سے سر جھٹکا۔

”تو انکو... میں اس ملک کا پردھان منتری اس لیے بننا چاہتا تھا تا کہ میں اس ملک میں نئی پالیسی لاؤں۔ سب قوانین بنائوں۔ لیکن آپ لوگ مجھے وہ سب کرنے نہیں دینا چاہتے۔ آپ صرف مجھے نقصان نہیں پہنچا رہے۔ میرے لوگوں کو نقصان دے رہے ہیں۔ اس لیے کتنا اچھا ہو کہ آپ اپنے پانچ سال آرام سے حکومت کریں اور خود کو محلاتی سازشوں سے لاتعلقی کر کے اپنے اختیارات انجوائے کریں۔ اور مجھے میرا بل پاس کرنے دیں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی اٹھے اور مسکرا کے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

”آپ میری طرف سے فکر مند نہ ہوں، وان فاتح۔ آپ کے بل کے لیے میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔“ پھر بادشاہ سلامت نے اپنے کوٹ کا بٹن بند کیا، ”ناویدہ کلنیں درست کیں اور ایک نظر کونے میں لگے پورڈ کو دیکھا جوا بھی کور سے ڈھانکا ہوا تھا۔“

”ان شاء اللہ اکثریت آپ کے ساتھ ہوگی۔“

”آپ پر دھان استرا انجائے کریں، تو انکو۔ یہ کٹھن کام میرے لیے چھوڑ دیں۔“ وہ سرد مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

پیچھے جھپٹ پھر رکھی سیاہ قالین اداسی سے ان دونوں کو مصافحہ کرتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ جانے وہ ہاتھ انہیں کب چھوئیں گے؟ وہ انتظار کر رہی تھیں۔

☆☆=====☆☆

احمد نظام ڈرائیو کر رہے تھے اور وہ خاموشی سے فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی، کھڑکی سے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔ ”کم از کم میں آزاد ہوں۔“ کچھ دیر بعد وہ بولی تو انہوں نے برہی سے اسے دیکھا۔

”لیکن آپ نے اپنا کیس مزید خراب کر دیا ہے، تالیہ۔“ وہ برہی سے بولے۔ کل سے اس پہ آیا غصہ بالآخر نکل آیا۔ ”میرے آنے سے پہلے آپ کو خاموش رہنا تھا۔ آپ کو اپنی گمشدگی کی اتنی لمبی اور بے سرو پا کہانی سنانے کی ضرورت نہ تھی۔“

”میں panic کر گئی تھی.... اوکے؟ مجھے انٹرو گیشن روم اور ان کی تیز روشنیوں کا فوبیا ہے۔ مجھے پولیس کی قید میں جانے سے اس وقت سے ڈر لگتا ہے۔ میں ابھی تک اس چیز کو ہینڈل نہیں کر پارہی۔ اوکے؟ اوکے؟“ وہ باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

”آپ کی کہانی آپ کو مزید گلٹی ثابت کر دے گی، تالیہ۔ آپ کو سچ بولنا چاہیے تھا۔“

”سچ پہ کوئی بھی یقین نہ کرتا۔ آپ بھی نہیں۔ اغوا والی اسٹوری بہتر تھی۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں لگتا۔“ وہ شانے اچکا کے بولی۔ احمد نظام نے تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے موڑ کاٹا۔

”آپ کے خیال میں وہ اس اسٹوری کو چیک نہیں کریں گے؟ وہ ایسا کنٹینر نہیں تلاش کریں گے؟ وہ آپ کے ان تین چار دنوں کی ساری فوجی کالیں گے۔ وہ آپ کے ہر قدم کو ریڈیو سے سنیں گے۔“

”ہاں تو میرے اغوا کار مطمئن تھے نا۔ انہوں نے اب تک کنٹینر کو آگ لگا دی ہوگی یا اسے پانی میں بہا دیا ہوگا۔“

”آپ کس زمانے میں رہ رہی ہیں۔ اتنا ہائی پروفائل کیس ہے یہ۔ وہ شہر کا ایک ایک کنٹینر ڈھونڈیں گے۔“

Downloaded from PakSociety.com

”زمانے سارے ایک سے ہی ہوتے ہیں“ نظام صاحب۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ وقت مجھ پہ بہت مہربان رہا ہے۔“ وہ غلطی سے کہہ کے کھڑکی سے باہر روشنی میں نہائے کے ایل کو دیکھنے لگی۔ آج پہلی دفعہ... اتنے عرصے بعد... وہ تیز روشنی میں بغیر خوف کے شہر کو دیکھ رہی تھی۔

”آپ کو پی ایم سے ملنے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔“

”اٹس فنی... اب ہر کوئی ان کو پی ایم کہتا ہے حالانکہ ان کا نام وان فاتح ہے۔ اور اچھا ہی ہونا میں گرفتار ہو گئی۔ یوں میری ضمانت بھی ہو گئی اور اب میں آزادی سے گھوم پھر سکتی ہوں۔“

”اور میں سوچ رہا ہوں کہ آپ کا کیس لے کر میں نے غلطی تو نہیں کر دی۔“ تالیہ نے غلطی سے انہیں دیکھا لیکن وہ اب ایک عمارت کے سامنے کارروک کے موضوع تبدیل کر گئے تھے۔

”میں نے اس بلڈنگ میں آپ کے لیے دو کمروں کا ایک پارٹمنٹ کرائے پہ لے لیا ہے۔ آپ یہاں بہتر محسوس کریں گی۔ آپ کا سامان بھی موٹوں سے اٹھوا کے یہاں منتقل کروایا گیا۔“ ایک کی کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

”شکریہ۔ آپ تمام اخراجات میرے بل میں ڈال دیجئے گا۔“ وہ دروازہ کھول کے باہر نکلی اور سن گلاسز ماتھے پہ چڑھا کے گردن اٹھائے اس اونچی عمارت کو دیکھا۔

”میں پہلے ہی ڈال چکا ہوں۔ ابھی آپ آرام کریں۔ کل میرے آفس آئیے گا۔ ہم آپ کے کیس پہ کام کریں گے۔“ اس نے چہرہ موڑ کے انہیں دیکھا اور آرزوگی سے مسکرائی۔ ”بہت شکریہ“ احمد نظام صاحب۔ میری مدد کے لیے۔“

”میں نے کہا تھا میں آپ کے بل میں ساری رقم ڈال چکا ہوں۔ ایڈم بھی میج آفس آئے گا۔ تب تک آپ آرام کریں۔“ وہ ہینڈ بیک لیے آگے بڑھی اور عمارت کے قریب آئی۔ خد کار دروازے کھلتے چلے گئے۔ لیکن تالیہ اندر نہیں گئی۔ وہ رک کے اس سوٹ میں بلوس آدی کو دیکھنے لگی جو اس کی طرف آ رہا تھا۔ تالیہ نے دیکھا اس کے پیچھے ایک سیاہ شیشوں والی لمبی سی کار کھڑی تھی۔

(ابھی میں اس سبز گمر میں داخل بھی نہیں ہوئی اور ان کو پہلے سے خبر ہو گئی۔)

”چے تالیہ۔“ اس نے قریب آ کے سر جھکا کے سلام کیا۔ ”میں سری پردھانہ سے آیا ہوں۔ آپ کی پی ایم کے ساتھ اپنا ٹکٹ ہے۔ انہوں نے آپ کو بلایا ہے؟“

”ابھی؟“

”نہیں۔ کل میج۔“

تمہارا نام کیا ہے؟“ اس نے سنجیدگی سے اس نوجوان کو دیکھا۔
”سریش۔“

”سریش... اپنے پردہ خان منتری سے کہو، تالیہ مرادان سے نہیں ملنا چاہتی۔“
سریش فکر کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا جیسے اس جواب کی امید نہ ہو۔
”چے تالیہ... میں ان کو آپ کے انکار کی کیا وجہ بتاؤں؟“

”ان سے پوچھنا کہ وہ مجھ سے ملنے حالات میں کیوں نہیں آئے؟“
”گستاخی معاف، چے تالیہ، لیکن ملک کا حکمران ایک قیدی سے ملنے نہیں آ سکتا۔“
”اچھا؟“ اسے سر سے ہیر تک دیکھا۔ ”میں تو آئی تھی۔“ جتا کے بولی اور مڑ گئی۔ سرکاری اہلکار بے بسی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

”اور پھر میری بات کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں تو آئی تھی۔“
قریباً گھنٹے بعد سریش ہاتھ باندھے اپنے پی ایم کے سامنے کھڑا ساری بات شرمندگی سے بتا رہا تھا۔ وہ سن کے ہلکا سا مسکرا دیا۔ وہ درست کہہ رہی تھی۔ وہ آئی تھی۔ جب وہ مراد راجہ کی قید میں تھا اور اس کا ماتھا چہرہ اور ہاتھ اسی طرح زخمی تھا۔ تب وہ آئی تھی اس سے ملنے اور اس نے کسی روکنے والے کے روکنے کی پردہ نہیں کی تھی۔ لیکن وہ نہیں جاسکتا تھا۔
ڈیم ڈیو کر لیں۔

”سر... آپ نے جو وقت کل صبح مس تالیہ کے لیے مختص کرنے کو کہا تھا، اسے کیمنسل کروں؟“
”ہاں۔“ اس کے جواب پہ سریش نے سر ہلا دیا۔ وہ جانے کے لیے مڑنے لگا جب قاتح بولا۔
”اسے سوموار کی صبح کا وقت دے دو۔“

سریش تعجب سے واپس کھوما۔ قاتح اب سامنے رکھی قاتل کی طرف متوجہ تھا۔
”لیکن... سر... سوری لیکن... انہوں نے تو ملنے سے انکار کر دیا ہے۔“
وان قاتح نے چہرہ اٹھا کے سنجیدگی سے سے دیکھا۔ ”نہیں۔ اس نے انکار نہیں کیا۔ اس نے تم سے پوچھا ”ابھی؟“ تم نے کہا، کل صبح۔ اسے کل صبح کوئی اہم کام کرنا ہو گا اس لیے سوموار کا وقت دے دو۔“

”لو کے... میں...“ وہ گڑبڑا کے بولا۔ حیران نظریں ابھی تک پردہ خان منتری پہ جمی تھیں۔ ”میں خود جاؤں ان کے پاس یا ان کو کال کر لوں؟ میرے پاس ان کا نمبر ہے۔“

”کال کرو۔ اسی لیے اس نے تمہارا نام پوچھا تھا تا کہ تم کال کرو تو وہ پہچان جائے۔“ وہ فائل کے صفحے پلٹاتے ہوئے اب کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ سریش نے آہستہ سے سر ہلایا اور مڑ گیا۔ دنیا عجیب لوگوں سے بھری پڑی ہے۔

”میں نے آپ کو بتایا تھا سریش مجھے ان سے نہیں ملنا۔“

”منڈے مارنگ۔ صبح آٹھ بجے میم۔ میں سری پر دھانہ کے باہر آپ کا منتظر ہوں گا اور آپ کو میکیورٹی سے گزار کے اندر لے جاؤں گا۔“

تالیہ نے مسکرا کے فون بند کیا۔ (وہ اب بھی اس کو بہت اچھے سے جانتا تھا۔ اس دفعہ ان فاتح کچھ نہیں بھولا تھا۔) وہ اپنے اپارٹمنٹ کے لونگ روم کی کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ شہر کی اونچی عمارتیں اور سڑکوں پہ بہتا ٹریفک۔ یہاں سے سب دکھائی دیتا تھا۔ فون رکھ کے اس نے بازو سینے پہ ہانڈھ لیے اور اس خوبصورت شہر کو دیکھنے لگی۔

اس شہر میں آج تالیہ مراد کے کیس کا چرچہ ہو گا اور جب تک ٹرائل چلے گا اس شہر میں تالیہ کے جرم کی ہی باتیں ہوں گی۔ جیسے برس پرانا کیس زمرہ ہو گیا تھا۔ بلاگز، چینلو، کیبنے.... ہر جگہ یہی ذکر چھڑ چکا تھا۔ وہ خاموشی سے نیچے نظر آتے شہر کو دیکھنے لگی۔ کھڑکی کی سوئی ٹک کر تکی آگے بڑھ رہی تھی۔

☆☆=====☆☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہناشتے کی میز پہ آج صبح تناؤ پھیلا تھا۔ فاتح جب اپنی سربراہی کرسی پہ آ کے بیٹھا تو اس نے ایک نظر تمام افراد پہ ڈالی۔ سکندر کے ماتھے پہ پل تھے اور وہ خاموشی سے سیریل کھارہا تھا۔ جولیانہ اپنے ناشتے سے کھینچی گم مضم نظر آتی تھی۔ اور اشعر... وہ بالکل سپاٹ بیٹھا تھا۔

”آج تمہارا کالج نہیں ہے سکندر؟“ اس نے بات کا آغاز کرتے ہوئے دلے کا پیالہ اپنے قریب کیا تو سکندر نے نظریں اٹھا کے برہمی سے اسے دیکھا۔

”آپ کو ابھی بھی تالیہ مراد سے ہمدردی ہے؟“

فاتح نے پیالہ واپس دھکیلا اور سنجیدگی سے سکندر کو دیکھا۔ ”تالیہ نے عصرہ کا قتل نہیں کیا تھا۔“

”بیاسی نے کیا تھا ڈیڈ۔ آپ اس کا دفاع نہیں کر سکتے۔“

”تم چاہتے ہو کہ میں ایک بے قصور لڑکی کو مجرم کہوں؟ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ سوری۔“

”ہم اچھی زندگی گزار رہے تھے۔“ سکندر دہشتی سے بولا اور نیپکن پرے پھینکا۔ ”پھر وہ ہماری زندگیوں میں آئی۔ مجھے

سب یاد ہے۔ اس کی وجہ سے آپ دونوں کی لڑائی ہوتی تھی۔ اس کی وجہ سے سب کی لڑائی ہونے لگی تھی۔“ اس نے کھوکھ کناں

Downloaded from **Paksociety.com**

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

نظروں سے اشعر کو دیکھا۔ وہ ہاری ہاری باپ بیٹے کے چہرے یوں دیکھ رہا تھا جیسے کورٹ میں ایک سرے سے دوسرے تک اڑتی گیند دیکھ رہا ہو۔

”اور پھر میری ماما مر گئیں۔ اس کی وجہ سے ہمیں گھر چھوڑنا پڑا۔ ہمیں اپنا ملک چھوڑنا پڑا۔ آپ نے آج تک اس کو مجرم نہیں کہا۔ ہمیشہ اس کو ڈیفینڈ کیا۔ لیکن اب آپ اس کو ڈیفینڈ نہیں کریں گے ڈیڈ۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ اگر کسی نے اس گھر میں تالیہ مراد کی حمایت کی تو میں گھر چھوڑ کے چلا جاؤں گا۔“

اس نے کرسی دھکیلی اور سرخ چہرے کے ساتھ کہتا ہر چلا گیا۔ جولیانہ سر جھکائے کھاتی رہی۔ قاتح نے گردن موڑ کے چہیتی ہوئی نظروں سے اشعر کو دیکھا۔

”تم نے کچھ کہا ہے سکندر کو؟“

وہ سیب میں دانت گاڑتے ہوئے کندھے اچکا کے بولا۔ ”اس کی عمر دیکھیں۔ کیا میں اس کا برین واش کروں گا؟ وہ اس کی ماں تھی۔ میری بہن تھی۔ وہ وہی محسوس کر رہا ہے جو میں کر رہا ہوں۔ دیکھیں آہنگ۔“ اس نے سیب رکھا اور سنجیدگی سے بولا۔

”میں آپ کا ذہن نہیں بدل سکتا۔ میں آپ کی رائے کو برداشت کروں گا۔ لیکن آپ ہمارے جذبات کو برداشت کریں۔ ہم میں سے کوئی اب اس قصبے کو گھر میں ڈسکس نہیں کرے گا۔ معاملہ عدالت میں ہے۔ جو فیصلہ عدالت کرے گی وہ ہم سب کو قبول کرنا ہوگا۔“

قاتح نے خاموشی سے چائے کا کپ اٹھالیا۔ اسی وقت مرکزی دروازہ کھلا اور میٹھا کا شیشا سا چہرہ دکھائی دیا۔

جولیانہ نے سرموڑ کے اسے دیکھا اور تیزی سے ناشتہ ختم کرنے لگی۔ میٹھا قریب آئی۔ اس کے جوتوں کی ٹک ٹک واحد آواز تھی جو سارے میں سنائی دے رہی تھی ورنہ ڈائینگ ہال کا تناؤ دور سے بھی محسوس کیا جاسکتا تھا۔

”جولیانہ آپ نے ناشتہ نہیں کیا؟ کلاس کا وقت ہونے والا ہے۔“ سلام اور تعظیم کے بعد میٹھا تعجب سے کہتی جولیانہ کی کرسی کے پیچھے آکھڑی ہوئی۔ جونی نے جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ کھاتی رہی۔ قاتح نے نظر اٹھا کے دیکھا۔

”جونی... آپ کی ٹیچر کچھ پوچھ رہی ہیں۔“

”اٹس اوکے۔ میں کتابیں میٹیں لے آتی ہوں۔ ساتھ ہی اس کو پڑھا بھی دوں گی۔“ میٹھا نے اپنا بیگ اور پرس میز پر رکھے اور اجازت لے کر اسٹڈی کی طرف چلی گئی۔

میٹھا کے جاتے ہی اس کا فون زور زور سے قہر قہر آنے لگا۔ جولیانہ نے اسکرین دیکھی اور واپس دلیہ کھانے لگی۔ چند لمحوں

خاموشی سے گزرے۔ یہاں تک کہ قہر قہرانے کی آواز ناشتہ کرتے افراد کو کوفت میں مبتلا کرنے لگی۔

”جاؤ جولی... اس کفون دے آؤ۔“ اشعر نے جولیانا کو مخاطب کیا۔ اس نے کندھے اچکا دیے۔

”وہ اٹینڈ نہیں کریں گی۔ ان کے ایکس ہر بنڈ کا فون ہے۔ وہ اسے کبھی اٹینڈ نہیں کریں گی۔“

ایک دفعہ پھر خاموشی چھا گئی۔ پھر یکے بعد دیگرے اشعر اور فاتح اٹھ کے باہر چلے گئے۔

یہاں کتابیں لیے واپس آئی تو فون ابھی تک قہر قہر رہا تھا۔ اس نے کتابیں رکھیں اور فون اٹھایا تو چہرے کی رنگت ایک دم بدلی۔ خوف سے نہیں۔ افسوس سے۔ آزر دگی سے۔ اس نے لب کاٹے ہوئے کال کاٹی اور فون پرس میں ڈال دیا۔ پھر کرسی کھینچ کے بیٹھی اور کتابیں کھول لیں۔

جولیانا نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ”آپ میرے ڈیڈ سے کیوں نہیں کہیں کہ وہ آپ کی مدد کریں۔ مجھے ایملی نے بتایا ہے کہ اس کے باپا پھر سے آپ لوگوں کو ہراس کرنے لگے ہیں۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے جولی۔“ اس نے نرمی سے اس کا سر تھپکا۔ ”میں کوئی کمزور عورت تھوڑی ہوں جو ڈر جاؤں گی؟ وہ زمین کے کوئی ایسے کاغذات مانگتا ہے جو میرے پاس نہیں ہیں۔ میں اسے انور کروں گی۔ خود ہی پیچھا چھوڑ دے گا۔“

”تو پھر چھ ماہ سے کیوں نہیں چھوڑا؟“

”میں ہینڈل کر لوں گی۔ سنگل مدرز میں بہت طاقت ہوتی ہے جولی۔“ وہ مسکرا کے اسے سمجھانے لگی۔ ”بلکہ ساری ماؤں میں ہوتی ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ تم سے تعلق کی وجہ سے تمہارے خاندان سے کوئی فیور لوں۔ یہ اخلاقی لحاظ سے اچھی بات نہیں ہے۔“

”ساری مائیں ایک جیسی ہوتی ہیں؟“ جولیانا نے آزر دگی سے اسے دیکھا۔ ییشا نے مسکراتے ہوئے سر جھکایا اور ایک صفحے پہ کچھ انڈر لائن کرنے لگی۔ وہ دونوں ڈائینگ ہال میں اب تنہا رہ گئی تھیں۔

”کیا ساری مائیں بہادر ہوتی ہیں؟“ وہ آہستہ سے بولی تو ییشا نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر اس کے چہرے پہ فکر مندی پھیلی۔

”اوہ سوئی... کوئی کتنا بھی مضبوط ہوا سے نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔ تمہاری ماما بھی اسی کا شکار ہوئی تھیں۔ مت سوچو اس بارے میں۔“

جولیانا نے پلکیں جھپکتے ہوئے اسے دیکھا۔ آواز مزید دھیمی کی۔

”آپ کو کیا لگتا ہے تالیہ مراد نے میری ماما کو مارا ہوگا؟“

میٹا نے گہری سانس لی۔ آج وہ شہر رنگ بالوں کو جو دے میں ہانڈھے ہوئے تھی اور ایک گھنگھریالی لٹ کال پہ جھول رہی تھی۔

”سوئی..... ہمیں نہیں معلوم کس کی کیا اسٹوری ہے۔ جس نے بھی ایسا کیا ہو اس کو سزا ضرور ملے گی۔ اور تم فکر نہ کرو۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تمہارے ڈیڈ ہیں مانتہاری حفاظت کے لیے۔“ وہ اسے پیار سے سمجھا رہی تھی۔ اسے واقعی یہ لگا تھا کہ جولیانا ایک ”قاتل“ کے واپس آنے پہ خوفزدہ ہے۔ مگر جولیانا نے لب کاٹے اور چہرہ اس کے قریب کیا۔ پھر سرکوشی میں بولی۔

”کیا میں آپ کو ایک سیکرٹ بتا سکتی ہوں؟“

میٹا دم سادھ سہل گئی۔ کچھ تھا اس کے انداز میں جوا سے چوٹا گیا تھا۔

”تالیہ نے میری ماما کو نہیں مارا تھا۔“

میٹا کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔ ”تمہیں کیسے پتہ؟“

”دو سال پہلے..... جب مجھے ان چیزوں کی بہتر سمجھ آنے لگی.... تو میں نے ماما کی کیس فائلز پڑھنا شروع کیں۔ پولیس رپورٹ کے مطابق زہریک کی آئنگ میں تھا۔ یعنی اس پہ چھڑکا گیا تھا۔“

”جونی.... تم ان باتوں میں نہ الجھو۔ عدالت.....“

”آپ مجھے کیا سمجھتی ہیں؟ میں مرڈر مسٹریز دیکھتی ہوں۔ مجھے ان سب باتوں کی سمجھ آتی ہے۔ میری بات سنیں۔ مجھے ڈیڈ کی طرح خاموش نہ کرائیں۔ وہ ایک بے شک تالیہ سمجھتی تھی۔ ماما بھی کہتی تھیں۔ لیکن مجھے یاد ہے۔ وہ چاکلیٹ کیلکس تھے۔ ان پہ آئنگ نہیں ہوتی تھی۔ میں نے دو دفعہ خود یک وصول کرتے دیکھا تھا ماما کو۔ لیکن بعد میں جب ماما ایک فریج میں رکھ دیتی تھیں ڈیڈ کے لیے..... تو ان پہ آئنگ ہوتی تھی۔“ اس کی گلابی پڑتی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ”مجھے نہیں پتہ وہ آئنگ کون چھڑکتا تھا لیکن اگر زہریک آئنگ میں تھا تو وہ تالیہ نے نہیں چھڑکا تھا۔“

میٹا دھک سے رہ گئی۔ بالکل گنگ اور ششدر۔

”اس وقت شاید مجھے اتنی سمجھ نہیں تھی۔ لیکن جب میرے ذہن نے کڑیاں جوڑیں تو مجھے سب کچھ پھر سے یاد آنے لگا۔ میں نے ڈیڈ کو بتایا تھا۔“

”انہوں نے کیا کہا؟“

”انہوں نے مجھے چپ رہنے کو کہا۔ وہ شاید پہلے سے جانتے تھے سب۔“

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”یعنی... تالیہ نے یہ قتل نہیں کیا تھا؟“ وہ گنگ رہ گئی۔ ”اوہ گاڈ... اور تمہارے ڈیڈ نے کچھ نہیں کیا۔ وہ لڑکی جیسے سال تک پولیس سے اس جرم کی وجہ سے جھجھتی رہی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا؟“ اس نے ماتھے کو چھوا۔ ”اوہ بے چاری تالیہ۔“ پھر اس نے جولیانا کا چہرہ دیکھا تو فوراً خود کو سنبھالا۔

”دیکھو جو ہو گیا، سو ہو گیا۔ یہ وقت ان باتوں پہ غور کرنے کا نہیں ہے۔ تم ایگزام دے کر آؤ پھر ہم بات کریں گے۔ ٹھیک ہے؟“ نرمی سے اسے پکارتے ہوئے بولی البتہ اس کی آنکھوں میں واضح اضطراب نظر آتا تھا۔ جولیانا نے اداسی سے کتاب پر سر جھکا دیا۔ میٹھا کا ایک ہاتھ ابھی تک سینے پہ تھا۔ یہ سب کچھ نہایت غیر متوقع تھا۔ اسے کیا کرنا چاہیے؟

☆☆=====☆☆

احمد نظام کا آفس بہت بڑا نہ تھا۔ اس میں فائلوں اور کتابوں کے ڈھیر لگے تھے۔ آفس کی حالت کو دیکھ کے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک ہائی پروفائل کیس لینے میں کیوں دلچسپی رکھتے تھے۔

اس وقت وہاں کافی کی مہک پھیلی تھی۔ تین بھاپ اڑاتے کپ میز پہ رکھے تھے۔ ایک طرف احمد نظام خود بیٹھے تھے اور ان کے سامنے تالیہ اور ایڈم کرسیوں پہ براجمان تھے۔ آج وہ سفید اور سیاہ اسکرٹ بلاؤز میں بلبوس تھی۔ ماتھے پہ ہینڈ بیج تھا اور گال کے زخم پہ مرہم لگا تھا۔ آنکھ کا نل میک اپ سے ہلکا کر رکھا تھا۔

”آپ کو یہ چوٹ کیسے آئی؟“ ایڈم نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے اس کے ماتھے کی طرف اشارہ کیا۔ اس سوال پہ تالیہ نے برامان کے اسے دیکھا۔

”آپ بات بدل رہے ہیں۔ میں کہہ رہی ہوں کہ عصرہ نے یہ خود اپنے ساتھ کیا تھا۔“

”اور میں کہہ رہا ہوں کہ کوئی اس پہ یقین نہیں کرے گا۔ اگر آپ یہ بات لوگوں کے سامنے دہراتی رہیں گی تو آپ ولن لگیں گی۔ عوام بالخصوص عصرہ کے بچے آپ کو معاف نہیں کریں گے۔“ وہ تبصرہ کرنے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

”عصرہ کے بچے۔“ وہ خاموش ہو گئی۔ ان کو وہ فراموش کر گئی تھی۔ وہ اس سارے معاملے کے معصوم ترین متاثرین تھے۔ ”لو کہ۔ میں کسی کو نہیں کہوں گی۔ مگر میں آپ کے سامنے تو کہہ سکتی ہوں نا؟“

”ٹھیک ہے تالیہ۔“ احمد نظام نے مداخلت کی۔ ”مان لیا کہ عصرہ نے خودکشی کی تھی۔ لیکن ہمیں یہ بات ثابت کرنی پڑے گی۔“

”میرے پاس ایلی ہائی ہے۔ جب کیک آنا شروع ہوئے تو میں مصر میں تھی۔“

”کیک آپ کے کریڈٹ کارڈ پہ آرڈر کیے گئے تھے۔ آپ یہ کام دنیا میں کہیں سے بھی بیٹھ کے کر سکتی ہیں۔“ ایڈم نے

Downloaded from PakSociety.com

کھونٹ بھرتے ہوئے پھر سے تبصرہ کیا۔ وہ ٹانگ پٹانگ جمائے بیٹھا ساتھ ہی اپنے فون سے بھی کھیل رہا تھا۔

”اور میں مصر میں بیٹھ کے ایک میں زہر کیسے ملا سکتی ہوں؟“

”چھ سال پہلے اگر آپ فرار نہ ہوتیں تو یہ بات ثابت کرنا آسان تھا۔“ احمد نظام نے مداخلت کی۔

”میں فرار تموری ہوئی تھی۔ میں اغوا ہوئی تھی۔“ بالوں کو جھٹکا دیا اور کندھے اچکائے۔

ایڈمز زور سے ہنسا۔ پھر چہرہ سنجیدہ بنایا اور موہائل پہ مٹن دہانے لگا۔ تالیہ نے برامان کے اسے دیکھا۔

”اس میں اتنا فنی کیا ہے؟“

”مس مراد... آپ کی اغوا والی کہانی بہت کمزور ہے۔ آپ تو ہوا وقت صرف کر کے اس سے بہتر کہانی بنا سکتی تھیں۔“

”آپ تو ہوا وقت صرف کر کے میرے سوال کا جواب دیں۔ میں مصر میں بیٹھ کے کیسے ایک میں زہر ملا سکتی ہوں؟“

”عصرہ کی موت والے دن آپ کے ایل میں تھیں۔ اس سے پہلے جو ککس آپ نے بیجے... ان میں زہر...“ ایڈمز نے

رک کے سوچا۔۔۔ ”یہی آپ کا کوئی ساتھی ملانا ہوگا۔ استغاثہ یہی نقطہ لائے گا۔“

تالیہ نے کپ نیچے رکھا اور تیزی سے بولی۔ ”اور یہی میں کہہ رہی ہوں۔ عصرہ کا کوئی ساتھی ضرور ہوگا۔“

”کوئی ایسا ساتھی جس نے آپ کا کارڈ نمبر حاصل کر لیا ہوگا۔“ ایڈمز بھی ایک دم موہائل رکھ کے سیدھا ہو کے بیٹھا۔ ”اس

نے ہی بیکری پہ آرڈر دیا ہوگا۔ اس نے ہی عصرہ کو آر سینک لا کر دیا ہوگا۔ عصرہ اسے ایک پہ خود چھڑکتی ہوں گی۔“ وہ قدرے

جوش سے کہہ رہا تھا۔ ”کہانی اچھی جا رہی ہے۔ بھلے سچ ہو یا نہ ہو۔“

”مسئلہ یہ ہے کہ...“ احمد نظام کھٹکھارے۔ ”وہ بیکری اب بند ہو چکی ہے۔ مگر اس زمانے میں تفتیش کے دوران جو آئی پی

لوکیشن ملی تھی جہاں سے تالیہ کا کارڈ استعمال کیا گیا تھا وہ پراسی لوکیشن تھی۔ یعنی یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ لوکیشن ملائیشیا کی تھی یا

باہر کے کسی ملک کی۔“

”اور کسی نے اس پراسی کو بے نقاب کرنے کی کوشش نہیں کی ہوگی۔“ ایڈمز مسکرا کے بولا۔ ”مجھے اس آئی پی کی تفصیلات

دیں۔ میں ایک سا برانویسٹی گیشن ایجنسی سے بات کرتا ہوں۔ وہ شاید اصل لوکیشن کو ٹریس کر سکیں۔“

”یعنی جس شخص نے میرا کارڈ استعمال کیا ہے اس کی لوکیشن معلوم ہو سکے گی؟“ پھر اس کا چہرہ بچھا۔ ”کیا معلوم اب وہ وہاں

رہتا ہی نہ ہو۔ چھ سال میں تو دنیا بدل جاتی ہے۔ ار کیا پتہ اس نے یہ کام کسی انٹرنیٹ کیفے سے کیا ہوگا۔ عصرہ نے اتنا کچا کام

نہیں کیا ہوگا۔“ وہ نفی میں سر ہلاتی کہہ رہی تھی۔ ایڈمز نے غور سے اسے دیکھا۔

”آپ کو کیوں لگتا ہے کہ عصرہ نے ایسا کیا تھا؟ کیا ان کی کسی بات سے آپ کو لگا؟“

Downloaded from PakSociety.com

وہ کی اور گھور کے اسے دیکھا۔ ”کاش کہ آپ کو کچھ یاد ہوتا۔ خیر.. عصرہ اور میرے تعلقات اس وقت تک بہت خراب ہو چکے تھے۔ اس لیے بعد میں مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کام عصرہ کا ہی ہے۔“

”کب؟ آپ کے عصرہ سے تعلقات کب خراب ہوئے تھے؟“

”قل سے دو ایک ماہ پہلے سے۔“

”ایک منٹ۔ ایک کب سے آنے لگے تھے؟“ ایڈم نے ایک فائل اٹھائی اور تاریخ پڑھی۔ ”ایک بجنے سے پہلے کسی دن کچھ ہوا ہوگا جو عصرہ نے اتنا بڑا فیصلہ کیا۔ آپ کو اپنا اور ان کا کوئی شدید جھگڑا یاد ہے جس کے بعد انہیں زندگی اور آپ دونوں سے نفرت محسوس ہوئی ہو؟“

”پارٹی... ایک پارٹی میں....“ تالیہ نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ”جب میں نے عصرہ کو بتایا تھا کہ وہ فاتح کی پہلی....“ اس نے اگلے الفاظ دہالیے۔ مگر اسے یاد آچکا تھا۔ وہ آتش بازی والی پارٹی جب عصرہ نے ان دونوں کو ساتھ دیکھا تھا۔

”تاریخ یاد ہے آپ کو؟ چھ سال گزر چکے ہیں اس لیے....“

”اوہ۔ میرے لیے وہ تین ماہ پہلے کی بات ہے ایڈم صاحب۔“ اس نے موبائل اٹھایا اور تیزی سے بٹن دبانے لگی۔ پھر اسکرین اس کے سامنے کی۔ ”یہ میرا اس وقت کا ٹوئٹر اکاؤنٹ ہے۔ میں نے اس شادی کی تصویر ٹویٹ کی تھی۔“

ایڈم نے جھک کے تاریخ پڑھی۔ ”یہ ایک آنے سے ایک ہفتہ پہلے کی تاریخ ہے۔“

”اس سے کیا ثابت ہوتا ہے ایڈم صاحب؟“ احمد نظام نے فور سے دیکھا۔

”اس پارٹی سے لے کر.... پہلے ایک کے آنے تک.. عصرہ محمود نے کیا کیا تھا۔ ہمیں عصرہ کے ہراسٹپ کوری ٹریس کرنا ہے۔ ان کے کریڈٹ کارڈ کا مل۔ بینک اکاؤنٹ ڈیٹیلز.... فون ریکارڈ.... آپ کو وہ سب نکلوانا ہوگا۔ اگر عصرہ نے خودکشی کی تھی... اگر.... (زور دیا) تو اس کا پلان انہوں نے انہی سات دنوں میں بنایا ہوگا۔“

”اور اگر عصرہ نے کیش ادا کیا ہو؟ اگر انہوں نے کسی دوسرے نمبر سے بات کی ہو؟ اگر....“ تالیہ کے تاثرات دیکھ کے وہ خاموش ہوئے اور سر ہلایا۔ ”میں ریکارڈ نکلوانا ہوں۔“ وہ فون اٹھا کے باہر نکل گئے۔

آفس میں خاموشی چھا گئی۔ پھر ایڈم کھٹکھٹا اور قدرے بے نیازی سے بولا۔ ”مس مراد.... یہ سب اس پہ منحصر ہے کہ عصرہ نے خودکشی کی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ہم آپ کی مدد نہیں کر سکیں گے۔“

تالیہ نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ ”آپ کی رائیٹنگ کیسی چارہی ہے؟“

وہ اس سوال پہ حیران ہوا۔ ”بہت اچھی۔ کیوں؟“

”آپ نے کافی عرصے سے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ آپ نئی کتاب کے بارے میں معلومات بھی نہیں دے رہے۔ نیز سمجھ رہے ہیں کہ آپ سر پر انزویں گے لیکن جس خوشی سے آپ نے تالیف مراد کی کتاب لکھنے کی خبر کو عام کیا ہے.... مجھے لگتا ہے آپ رائٹرز بلاک کا شکار ہیں۔ آپ کوئی دوسری کتاب لکھ ہی نہیں رہے تھے۔“

”یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔“ اس نے پہلو بدلا۔ ایک دم وہ بالکل عجیبہ ہو گیا تھا۔

”یعنی آپ مان رہے ہیں کہ آپ کو کوئی مسئلہ لاحق ہے؟“ وہ کرسی کا رخ اس کی طرف موڑنے کا ٹک پہ ٹاک بٹائی۔ اس کی آنکھوں میں جھانک کے کہہ ہی تھی۔ ایڈم نے پتلیاں سکڑ کے اسے دیکھا۔

”مس مراد.... کتنا اچھا ہو ہم ایک دوسرے کی ذاتی زندگیوں میں مداخلت نہ کریں۔ میں انسپریشن سے لکھتا ہوں اور...“

”آپ ناول کیوں نہیں لکھتے؟“

ایڈم بولتے بولتے رکا۔ ”میں فکشن رائٹر نہیں ہوں۔“

”آپ کا ذہن ایک ہی طرح کی سیاسی چیزیں لکھ کے بور ہو چکا ہے۔ آپ کو چیلنج چاہیے۔“

وہ چپ ہو گیا۔ پھر قدرے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ”میرا خیال کہ میں اچھا فکشن لکھ سکتا ہوں۔“

”تو برا فکشن لکھ لیں۔ کم از کم قلم کی رکاوٹ تو ختم ہوگی۔“

”اچھا؟ اور کس موضوع پہ مجھے لکھنا چاہیے۔ یہ بھی بتادیں۔“ انداز میں ہلکا سا طعنے لگا۔

”اپنے ارد گرد سے انسپریشن ڈھونڈیں۔ آپ کی والدہ ایک زمانے میں چوزے بدکتی تھیں۔“

”اب بھی رکھتی ہیں۔“

”ہاں مگر وہ تمام عرصہ جس میں میں آپ کی زندگی کا حصہ تھی چوزوں کا ایک گروہ ان کے پاس تھا۔ وہ میرے سامنے بڑا ہوا

اور پھر میری ہی وجہ سے وہ کھو گیا۔ آپ کی والدہ کو اس بات کا شدید صدمہ ہوا تھا۔ آپ ان کی زندگی پہ بھی کتاب لکھ سکتے

ہیں۔“

”ہمارے چوزے آپ کی وجہ سے کھوئے تھے؟ انٹر سٹنگ۔“ وہ محظوظ انداز میں مسکرایا۔ ”سوچوں گا۔“

”کسی کام کو کرنے کا بہترین وقت ”ابھی“ ہوتا ہے ایڈم صاحب۔ یہ وقت کے تین سوالوں میں سے ایک کا جواب ہے۔

اگر آپ ابھی فیصلہ کر لیں تو کیا معلوم کوئی معجزہ ہو جائے۔“

”مثلاً؟“

”مثلاً آپ کو آپ کی کھوئی ہوئی یادداشت واپس مل جائے۔“ وہ پراسرار انداز میں مسکرائی۔

Downloaded from Paksociety.com

”آپ کی جڑی بوٹیوں والی کہانی اخوادالی کہانی سے بہتر تھی۔“ وہ جھر جھری لے کر پھر سے اپنے فون کو دیکھنے لگا۔ وہ پہلے والی ایڈم جیسا نہیں تھا۔ ہر وقت معروف... فون اور کام میں لگا.... بے نیاز سا سلبر بیٹی....

”یسا تاج کی نمائش کب ہے؟ یا وہ آپ نے مجھے ہاں لے کر چاہا تھا۔“

ایڈم کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ”اب کیوں؟“ آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ آپ کی پی ایم سے ملاقات طے ہو گئی ہے۔“

”تالیہ کے پلانز ہیں۔ تالیہ کی مرضی۔“ اس نے کندھے اچکائے اور اپنا موہاگل اٹھالیا۔ ایڈم الجھ کے اسے دیکھنے لگا۔

”میں نے آپ کو اتنا عرصہ ماضی میں برداشت کیسے کیا تھا؟“ وہ جل کے بولا تو وہ مبہم سا مسکرا دی۔ نظریں اسکرین پہ تھیں۔ اور انگلیاں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔

☆☆=====☆☆

سری پر دھانہ کے سب سے ہار سوخ دفتر کے بھوری لکڑی سے بنے دروازے کافی اونچے تھے۔ یشان ان کے سامنے کھڑی انہیں گردن اٹھائے محسوس ہو کے دیکھ رہی تھی جب پیچھے سے پرنسپل سیکرٹری کھنکھارے۔ وہ چونک کے مڑی۔

”اب آپ امداد جاسکتی ہیں۔ لیکن آپ کے پاس وقت کم ہوگا۔ انہوں نے بہت مشکل سے آپ کے لیے وقت نکالا ہے۔“ وہ انٹرکام کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ ابرو سے آگے جانے کا اشارہ کیا۔ یسا نے کوٹ کی ٹاویڈ کٹنیں درست کیں، بالوں پہ ہاتھ پھیرا اور ہیڈل دبا کے دروازہ دھکیلا۔

فاتح اپنی کرسی پہ براجمان تھا۔ چند فائلز اور لیپ ٹاپ سامنے کھلا رکھا تھا۔ آستین کہنیوں تک موڑے، ٹائی ڈھیلی کیے، وہ نکتہ سراس کو دیکھ رہا تھا۔

”آئیے سز یسا۔“ اس کو آتے دیکھ کے وہ اتار لیا کرسی سے اٹھا۔ ”آپ کے ٹیکسٹ نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ آپ اتنی ایمر جنسی میں ملنا چاہتی تھیں۔ خیریت؟ کیا جولیا نہ ٹھیک ہے؟“

”جی ہاں ٹھیک ہے۔“ وہ بیٹھ گئی تو فاتح نے انگلیاں باہم پھنسائے آگے کو جھک کے اسے فکر مندی سے دیکھا۔

”پھر؟“

”میں نے جولیا نہ سے آپ کا نمبر یہ کہہ کے مانگا تھا کہ میں ایک ذاتی کام کے سلسلے میں ملنا چاہتی ہوں۔ لیکن دراصل میں جولیا نہ کے لیے ملنا چاہتی ہوں۔ آپ کے پاس میرے لیے کتنا وقت ہے؟“

فاتح نے کسی لحاظ اور مردت کے بغیر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ”چھ منٹ۔“

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”پھر میں مد سے پہ آتی ہوں، تو سری۔“ وہ جی کڑا کے بولی۔ شہر تک ہال کانوں کے پیچھے اڑ سے تھے۔ اور سرخ یا قوت سے مزین ٹاپس دیکھ رہے تھے۔ ہلکے میک اپ سے مزین چہرہ فکر مند لگتا تھا۔

”جولیانہ نے مجھے بتایا ہے کہ جن لکس سے مسز صبرہ کی موت واقع ہوئی تھی ان پہ کسی قسم کی آئینگ نہیں ہوتی تھی۔ آخری ایک جو پولیس کے ہاتھ لگا تھا اس پہ آئینک کی آئینگ تھی لیکن جو ایک تالیہ بھیجتی تھی وہ سادہ چاکلیٹ ایک ہوتے تھے۔ جولی نے خود ان کو دو تین دفعہ آتے دیکھا تھا۔ میں شراک ہو نہیں جتا چاہ رہی، لیکن۔۔۔“ وہ فکر مندی سے کہہ رہی تھی۔ ”اس کا مطلب ہے کہ تالیہ مراد کے بھیجے لکس زہر سے پاک تھے۔“

قاتح پیچھے کو ہو کے بیٹھا اور پتلیاں سکوڑے غور سے اسے دیکھے گیا۔

”جولیانہ پہ اس بات کا بہت بوجھ ہے۔ میں صرف یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اگر جولی نے یہ بات آپ کو بتائی تھی تو آپ یہ بات پر اسکی پوچھتا سکتے تھے۔ جولیانہ کا بیان تالیہ مراد کو مری کرنے کے لیے کافی تھا۔ پھر آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ وہ بے گناہ لڑکی اتنے سال پولیس سے چھپتی رہی۔ اس کی تو زندگی برباد ہو گئی۔“

قاتح نے انٹرکام اٹھایا اور بولا۔ ”مجھے دس منٹ مزید لگ جائیں گے۔ میٹنگ میں شامل افراد سے کہو کہ وہ میرا انتظار کریں۔“ پھر ریسپورڈ رکھا اور اس کو اسی سنجیدگی سے دیکھ کے بولا۔ ”آپ نے vampire disease کا نام سنا ہے مسز بیٹا؟“

وہ اس غیر متوقع سوال پہ ٹکر کر اس کا چہرہ سننے لگی۔ ”نہیں سر۔“

”یہ بیماری جن لوگوں کو لاحق ہوتی ہے وہ شدید فوٹو سینیٹیو ہوتے ہیں۔ روشنی ان کے لیے خطرناک ہوتی ہے۔ وہ دن میں باہر نہیں نکلتے۔ اندھیروں میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ اگر دھوپ یا روشنی ان پہ پڑ جائے تو ان کی جلد جلنے لگتی ہے۔ جیسے غیر مرئی کہانیوں میں ویپائرز ہوا کرتے تھے۔ ایسے ہی کچھ انسان روشنی سے خوفزدہ ہوتے ہیں۔ جولیانہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ وہ اندھیروں میں رہنے کی عادی ہے۔ میں اس کو دھوپ میں کیسے کھڑا کر سکتا ہوں۔“

وہ دم سادھے سن رہی تھی۔ اور وہ کہے جا رہا تھا۔

”اس نے مجھے یہ بات قریباً دو سال پہلے بتائی تھی۔ اگر میں اسے پراسیکیوشن کے سامنے لے جاؤں تو رپورٹرز میری بیٹی کا میڈیا ٹرائل کریں گے۔ وہ ایک چودہ سالہ بچی کو گواہی چھپانے کے لیے زبرد کو بکریں گے۔ وہ ہر جگہ اس کا نام لیں گے۔ اس کو ملزم ٹھہرائیں گے۔ صرف میں جانتا ہوں کہ جولیانہ صبرہ کی موت کے بعد کتنی مشکل سے زندگی کی طرف لوٹی ہے۔ وہ اینٹی سوشل بلکہ سوسائٹی پتھ بن چکی تھی۔ آپ بھی واقف ہی ہیں اس بات سے کہ وہ ابھی تک کتنی کم اعتماد اور ڈری سہی

لڑکی ہے۔ میں اس کا باپ ہوں۔ مجھے اس کی حفاظت کرنی ہے۔“

”آئی ایم سوری۔ میں نے اس زلویے سے نہیں سوچا تھا۔“

”میں اسے آپ سے زیادہ جانتا ہوں سسر بیٹا۔ وہ اس معاملے کو نہیں ہینڈل کر سکے گی۔ اور اس کی گواہی تالیہ کو بری نہیں

کروا سکتی کیونکہ جو ایک پولیس کے ہاتھ لگا تھا اس میں آر سینک تھا۔ اور وہ تالیہ کے نام سے ہی بھیجا گیا تھا۔“

”آپ کی ساری باتیں درست ہیں۔ لیکن تالیہ مراد کا کیا؟ وہ بے چاری تو بے قصور تھی۔“ وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

”آپ تالیہ کو نہیں جانتیں۔ میں جانتا ہوں۔ تالیہ اپنا خیال خود رکھ سکتی ہے۔ اس نے یہ جرم نہیں کیا تھا۔ میں نے تب بھی

اس سے کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ اس میس سے نکل آئے گی۔ وہ تالیہ ہے۔ وہ اپنے آپ کو بے گناہ

ثابت کر لے گی۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی فوراً سے اٹھی۔

”آپ کا دوسرا کام کیا تھا؟“

”وہ.... کچھ نہیں۔ میرا ایکس ہر بیٹڈ....“ اس نے سر جھٹکا۔

”میرے پی ایس کے پاس ایک تحریری درخواست چھوڑ جائیں۔ وہ آپ کا مسئلہ حل کروادے گا۔“ اس نے کوٹ پہنتے

ہوئے تاکید کی تو بیٹا نے سرفی میں ہلایا۔

”نہیں سر۔ مجھے شکایت نہیں کرنی۔ وہ میری بیٹی کا باپ ہے اور میں اپنی بیٹی کو ہر شے نہیں کر سکتی۔ آپ یہ بات مجھ سے بہتر

سمجھ سکتے ہیں۔ میں نمائش پہ آپ کا انتظار کروں گی۔“ پھر سر جھٹکا کے تعظیم پیش کی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے

باہر نکلتے ہی تین چار افراد اندر آ گئے۔ بیٹا نے مڑ کے دیکھا۔ اب وہ ان افراد سے بات کرتا ہوا باہر آ رہا تھا۔ اس آدمی کے

پاس ضائع کرنے کے لیے ایک منٹ بھی نہیں تھا۔

☆☆=====☆☆

سرما کی دھوپ سارے بازار پہ پھیلی تھی۔ صاف ستھری سی سڑک کے دونوں اطراف دکانوں کی قطاریں تھیں اور ان کے

آگے پیچھے ڈال کے کرسیاں میزیں بچھائی گئی تھیں۔ فرانسیسی طرز کا یہ بازار مختلف رنگوں کے پھولوں سے مزین تھا۔

وہ لکسی سے اتری اور سن گلاسز ماتھے کے اوپر چڑھائے۔ سیاہ شیشے آنکھوں کے سامنے سے ہٹتے بازار کے خوشنما پھولوں

کے قدرتی رنگ دکھائی دینے لگے۔ فضا اتنی معطر تھی کہ تالیہ کے اندر تک ناز کی اترتی گئی۔

اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس اندر کھینچی۔ پھر احساس ہوا کہ کوئی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں

کھولیں تو دیکھا وہ ایلم تھا۔

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

سفید شرٹ پہ سیاہ کوٹ پہنے وہ سن گلاسز لگائے ہوئے تھا۔ اسے دیکھ کے گلاسز اتاریں اور اور کلائی پہ بندھی گھڑی اسے دکھائی۔ ”آپ مقررہ وقت سے پندرہ منٹ لیٹ ہیں“ مس مراد۔

”تو کیا ہوا؟ وقت مجھ پہ ویسے ہی مہربان ہے۔“ وہ مسکرا کے کہتی آگے بڑھ گئی۔ اس نے سرخ و سفید پھولدار لمبی فرائی پہن رکھی تھی۔ کندھے سے شہری جینن والا پرس لٹک رہا تھا اور سر پہ سفید ہیٹ ترچھا کر کے رکھا تھا۔ وہ پھولوں کے بازار میں کسی سرخ سفید پھول کی مانند دکھ دی تھی۔

”تو میرا کریڈٹ کارڈ یہاں سے استعمال کیا گیا تھا؟“ دونوں اسٹریٹ کے کنارے ساتھ ساتھ چلتے گئے تو تالیہ نے پوچھا۔

”میرے انویسٹی گٹر نے اس پر کسی سرور کو ان ماسک کر لیا ہے۔ آپ کا کارڈ جیسے جگہوں سے استعمال کیا گیا تھا۔ میں پانچ جگہوں کا دورہ کر چکا ہوں۔ سوائے اس آخری جگہ کے۔“ وہ چلتے ہوئے بتا رہا تھا۔

”وہ جو بھی تھا“ کسی کانی شاپ میں بیٹھ کے آپ کے کارڈ کے ذریعے ایک آرڈر کرتا تھا۔ دو جگہوں پہ کانی شاپیں آج بھی موجود تھیں۔ تین جگہوں پہ کسی زمانے میں کانی شاپیں ہوا کرتی تھیں۔ اب وہاں کوئی اور دکان تھی یا کوئی ریسٹوران۔ مختصر یہ کہ کسی کے پاس چھ سال پرانے سی سی ٹی وی ریکارڈز نہیں تھے۔ نہ مجھے کوئی ایک ایسا شخص ملا جو چھ سال سے وہاں کام کر رہا ہو۔“

”یعنی ہمارے ہاتھ کوئی سرا نہیں آیا؟“

”نہیں۔ آخری جگہ ڈرائی کر لیتے ہیں۔ سامنے والی ان شاپیں میں سے کوئی ایک شاپ ہے جہاں ہمیں جانا ہے۔“

وہاں ایک کانی شاپ وسط میں نظر آ رہی تھی۔ ان کے قدم اسی جانب اٹھنے لگے۔

”کیا کوئی ایسی چیز ہے جو ان شاپیں میں مشترک ہو؟“

”نہیں۔ تمام شاپیں مختلف ناموں اور برانڈز کی تھیں۔“ وہ قدرے مایوس لگتا تھا۔ پھر چہرہ موڑ کے اسے دیکھا اور پوچھنے

لگا۔ ”حصہ کے فون اور بینک ریکارڈز نکلائے تھے احمد نظام صاحب نے۔ ان کا کیا بنا؟“

”ایک بھی پے منٹ مشکوک نہیں ہے۔ نہ حصہ نے ان سات دنوں میں کوئی بھاری رقم نکلائی، نہ رقم کسی کو بھیجی۔ بلکہ ان

دنوں میں حصہ نے کوئی خاص شاپنگ بھی نہیں کی۔“

ایڈم کا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر سنجیدگی سے پوچھا۔ ”اگر اس آخری شاپ سے بھی کوئی سراغ نہ ملا... تو؟“

”کچھ تو ملے گا۔ تاہم عموماً آخری جابی سے ہی کھلتے ہیں۔“ وہ زور دے کر بولی اور آگے بڑھ گئی۔

”کیا یہ شاپ چھ سال پہلے یہاں موجود تھی؟“

کچھ دیر بعد وہ دونوں کافی شاپ کے کاؤنٹر پہ کھڑے پوچھ رہے تھے۔ ریسپنڈنٹ جواب میں ان کو بتانے لگا کہ یہ شاپ گو کہ یہاں موجود تھی لیکن اس دوران دو دفعہ اس کی ملکیت بدلی ہے۔ ملکیت کے ساتھ عملہ بھی بدلہ ہے۔ وہ قریباً ڈیڑھ برس سے کام کر رہا ہے یہاں اور پچھلے عملے کے ہارے میں اسے کوئی معلومات نہیں ہیں۔

تالیہ شکھیوں سے دیکھ سکتی تھی کہ ارد گردیٹرز میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ وہ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے دھیمی سرگوشیاں کر رہے تھے۔ چھ سال گزر گئے اور دنیا نہیں بدلی۔ آج بھی سلیر میز کو دیکھ کے لوگوں میں خوشی اور جوش کی لہر دوڑ جانا لازم تھا۔

”یہ میرا کارڈ رکھ لیں۔ کچھ بھی یاد آئے تو مجھے کال کر لیجیے گا۔“ ایڈم نے آخر میں اپنا کارڈ اسے تھمایا اور تالیہ کو دیکھ کے کندھے اچکائے۔ وہ قدرے خاموش اور اداس لگتی تھی۔

وہ دونوں باہر آئے اور سڑک کنارے چھٹی کرسیوں پہ بیٹھ گئے۔ ایڈم نے ویٹر کو اشارہ کر کے ایک چائے لائے کو کہا اور پھر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”کم از کم آپ یہ تو ثابت کر سکتی ہیں کہ یہ آرڈر ملا بیٹیا سے کیا گیا جبکہ آپ مصر میں تھیں۔“

”آپ کے خیال میں مجھے اپنی بے گناہی صرف کورٹ میں ثابت کرنی ہے؟“ وہ نظریں اس پہ مرکوز کیے ایک دم تلخی سے بولی۔ ”مجھے ٹھوس ثبوت چاہیے ہیں۔ یہاں سب مجھے مجرم سمجھتے ہیں۔ مجھے لوگوں کی نظروں میں بری ہونا ہے۔ قانون کی فائلوں میں نہیں۔“

اس نے بازو سینے پہ لپیٹ لیے اور نروٹھے انداز میں سڑک کو دیکھنے لگی۔ ”مجھے پورا یقین تھا کہ آخری شاپ سے کچھ نہ کچھ ملے گا۔“

”کیا عصرہ کی کوئی بیسٹ فرینڈ تھی؟ یا کوئی ایسا دوست جس سے وہ سب شہر کرتی ہو؟“ وہ سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔ ”معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ویسے مجھے خوشی ہے کہ آپ میرے لیے بہت وقت نکال رہے ہیں۔“ وہ اسے دیکھ کے اداسی سے مسکرائی۔

”اس کی دو جہات ہیں۔ آپ کی وجہ سے میں ایک پٹنائل بیسٹ سٹر لکھنے جا رہا ہوں۔ اور آپ میری زندگی کے کھوئے چھ ماہ کی کہانی جانتی ہیں۔ میں آپ کی مدد کروں گا تو آپ میری مدد کریں گی۔“ وہ اسی اجنبی انداز میں مسکرا کے بولا۔ پھر کھڑی دیکھی۔

”شام کو نمائش پہ جانا ہے۔ میں آپ کو پک کر لوں گا۔ ابھی مجھے کچھ کام ہے۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ تالیہ نے نظریں اٹھا

Downloaded from Pakvociety.com

کے مسکرا کے اسے دیکھا۔

”آپ فکشن نہ لکھیں۔ بلکہ کوئی بھی فیصلہ وقت پہ نہ کریں۔“

”ایں؟ وہ کیوں؟“ وہ تعجب سے اسے دیکھ کے بولا۔

”کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ آپ کی کھوئی ہوئی یادداشت واپس آئے۔ کچھ چیزوں کا بھول جانا ہی اچھا ہوتا ہے۔ میں خوش

ہوں ایلم کہ آپ وہ سب بھول گئے۔ اس لیے... وقت کے سوالوں کو حل کرنے کی کوشش نہ کریں۔“

ایلم نے سر کو اثبات میں خم دیا۔ ”جڑی بوٹیاں واٹ ایور۔“ اور کچھ بڑبڑا کے آگے بڑھ گیا۔ وہ پھولوں سے بھرے بازار

میں تنہا بیٹھی جائے کا انتظار کرنے لگی۔

اسے آج دان قاتح سے ملنے دیں جانا تھا جہاں برسوں پہلے ”بطور تالیہ مراد“ وہ اس سے پہلی دفعہ ملی تھی۔

☆☆=====☆☆

آرٹ گیلری کی سفید مرمریں دیواروں پہ دور دور تک فریزز آویزاں نظر آرہے تھے۔ چکنے فرش پہ مہمان ٹولیوں کی صورت

نکھرے تھے۔ لوگ بہت زیادہ نہیں تھے۔ میٹا نے اسے محدود اور پرائیوٹ سارکھا تھا۔ جولیانہ کی خواہش پہ اس نے اس

نمائش کو عصرہ کی پرانی گیلری میں منعقد کیا تھا۔

خود وہ لمبی میکی میں ملبوس تھی جو سامنے سے سنہری اور پشت سے گہری نیلی تھی گیلری کی سجاوٹ بھی انہی دو رنگوں کے

اتحراج میں کی گئی تھی۔ میٹا کے شہد رنگ ہالوں کے ساتھ نیلے گینوں والے ٹاپس بھی گویا سجاوٹ کا حصہ لگتے تھے۔ وہ مسکرا

مسکرا کے تمام مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ ابھی پر دھان منتری کی آمد نہیں ہوئی تھی۔ وہ کچھ دوستوں کو اپنی ایک

فوٹو گراف کے ہارے میں مسکرا کے کچھ بتا رہی تھی جب اس کی نظر پیچھا یک نووار دیہ پڑی۔

میٹا کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت در آئی۔ وہ معذرت کر کے فوراً اس طرف آئی۔

”ایلم بن محمد؟ واٹ اے سر پرائز۔“

ایلم جو تنہا کھڑا ایک فریم کو دیکھ رہا تھا، آواز پہ اس کی طرف پلٹا اور مسکرایا۔ وہ سفید شرٹ پہ سیاہ ڈنر جیکٹ پہنہ ہمیشہ کی

طرح تازہ دم اور خوش ہاش لگ رہا تھا۔

”ایک دوست نے آپ کی پارٹی کا دعوت نامہ دیا تھا۔ سوچا چکر لگا لوں۔ شاید کوئی اسپانسریشن مل جائے۔“ وہ سادگی سے

کندھے اچکا کے بولا۔

”مجھے بہت خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کے۔ میں نے آپ کی تمام کتابیں پڑھ رکھی ہیں اور کوشش کرتی ہوں کہ آپ کا شو بھی

Downloaded from Pakvociety.com

باقاعدگی سے دیکھا کروں۔ مجھے معلوم ہوتا آپ آرہے ہیں تو میں آپ کی بک لے آتی آؤ گراف کے لیے۔“ وہ اسے دیکھ کے جیسے بہت خوش ہوئی تھی۔

”ارے نہیں۔ یہ آپ کی پارٹی ہے۔ آج کی سلیمہ بیٹی آپ ہیں۔“ ایڈم نے مصنوعی عاجزی سے سرکونم دیا۔

”اچھا آپ آگے آئیں نا۔ میں آپ کو اپنا کام دکھاتی ہوں۔“

”میں دراصل اپنی ہائس ون کا انتظار کر رہا ہوں جو ابھی تک نہیں پہنچیں۔“ اس نے کہنے کے ساتھ متلاشی نظروں سے داخلی گزرگاہ کو دیکھا۔ میٹا مسکرا کے آگے بڑھنے لگی تو وہ جلدی سے بولا۔

”مسز میٹا... کیا ہم پہلے مل چکے ہیں؟“

”میں اور آپ؟“ وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔ ”نہیں تو۔“

”آرپوشیور؟ کیونکہ میری ایک دفعہ کچھ مہینوں کے لیے یادداشت کھو گئی تھی۔ ۲۰۱۶ کی بات ہے۔ کیا ہم کبھی اس دوران ملے تھے؟“

”نہیں۔ ۲۰۱۶ میں تو میں امریکہ میں ہوتی تھی۔ اور اگر میں آپ سے ملی ہوتی تو مجھے ضرور یاد ہوتا۔ سلیمہ بیٹی سے ملاقات کی تمام جزئیات انسان کو یاد ہوتی ہیں۔“

”اور تالیہ مراد... آپ ان سے ملی ہیں کبھی؟“

”تالیہ مراد؟ نہیں۔“ اس نے الجھن سے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ پھر ایڈم کے پیچھے کسی کو دیکھ کے آنکھیں تعجب سے پھیلیں۔ ”اوہ۔ تالیہ مراد آپ کی ہائس ون ہیں۔“

ایڈم مڑا تو دیکھا وہ سامنے سے چلی آ رہی تھی۔ اس نے سادہ سیاہ میکسی پین رکھی تھی جو پاؤں کو چھوتی تھی۔ ہال جوڑے میں بندھے تھے اور کانوں سے سرخ موتی لٹک رہے تھے۔ ہاتھ میں سرخ کلچ تھا۔ ایڈم کو دیکھ کے وہ مسکرائی اور اس طرف چلی آئی۔

”تالیہ مراد... میٹا نے امروا چکا کے گہری سانس لی۔ ”خوشی ہوئی آپ کو دیکھ سکے۔“

تالیہ ایڈم کے قریب آئی۔ اسے سلام کیا۔ تاخیر کے لیے معذرت کی۔ پھر میٹا کو دیکھا تو لاعلمی سے ایڈم کو اشارہ کیا جیسے کہہ رہی ہو یہ کون ہے؟ ایڈم اس انداز پر گڑبڑا گیا۔

”بیوہ آرٹسٹ جن کی نمائش پہ ہم اس وقت کھڑے ہیں۔“

تالیہ نے لاعلمی سے معذرت کرتے ہوئے کندھے اچکائے۔

”سوری میں آپ سے واقف نہیں تھی۔ اس شہر سے عرصہ دراز سے لاتعلق رہی ہوں سوئے آرٹسٹس کے ہارے میں کوئی خبر نہیں۔ میں آپ کا کام ضرور دیکھوں گی۔“

میٹا مسکرا کے اس کا شکریہ ادا کرتی آگے بڑھ گئی۔ تالیہ اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔ پھر چہرہ موڑا تو دیکھا، ایڈم اسے پتلیاں سکڑے کھد رہا تھا۔

”ندہ آپ کو جانتی ہے نہ آپ اسے۔ تو آپ نے مجھے کیوں کہا کہ آپ اسے جانتی ہیں؟“

”اور آپ نے میرا یقین کر لیا؟ یاد رہے... میں کون دمن ہوں۔“ وہ مسکرا کے گردن موڑ موڑ کے اطراف میں دیکھنے لگی۔ ایڈم نے اچھبے سے اسے دیکھا۔

”میں آپ کو سمجھ نہیں پا رہا۔“

”گڈ۔ اب آپ کی کہانی مزید دلچسپ ہو جائے گی۔“ وہ گردن موڑ کے ایک فوٹو فریم کو دیکھ رہی تھی۔ اس میں ایک خوبصورت سیاہ کھوڑا گھاس چرنا نظر آ رہا تھا۔

”یعنی آپ اس کو نہیں جانتی تھیں۔ آپ نے یہ صرف اس لیے کہا تا کہ میں آپ کو پارٹی میں ساتھ لے جاؤں۔ میں ویسے بھی لے جاتا۔ آپ کو یہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔“

”تجھی محفل میں نا محسوس سی ہلچل مچی۔ کچھ لوگ سر جوڑے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہنے لگے۔ تجھی سوٹ والے افراد اندر آئے اور ارد گرد بکھر گئے۔ وہ مختلف آلوں کی مدد سے گیلری کو صیپ کر رہے تھے۔ چند لمحے گزرے جب انہوں نے وائرلیس پہ ہار والوں کو کلیئر کی خبر دی۔ ہلچل بڑھ گئی۔ لوگ دروازے سے راستہ پھوڑ کے کھڑے ہو گئے۔“

”پچھلے میں یہاں کیوں آنا چاہتی تھی؟“ وہ دونوں بیچوم سے ہٹ کے ایک دیوار کے ساتھ کھڑے دروازے کو دیکھ رہے تھے۔ ”کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم پہلی بار ملے تھے۔“

”ہم؟“

”میں تم‘ قاتح اور عصرہ۔“ وہ دروازے سے داخل ہوتے قاتح کو دیکھ کے بولی۔ وہ حسب معمول لوگوں میں گھرا مسکرا کے اندر آ رہا تھا۔ اشعر اور جولیانا اس کے ہمراہ تھے۔ میٹا ان کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ اسے جولیانا کے آنے کی بہت خوشی تھی۔

”اسی گیلری میں؟“

”ہاں۔ یہ عصرہ کی گیلری ہوا کرتی تھی۔ گو کہ اس سے دو تین دن پہلے بھی ہم ملے تھے۔ میں تم‘ قاتح اور عصرہ۔ تنگو کال

کے گھر لیکن تب تم لوگ ایک نوکرائی سے مل رہے تھے۔ اصل تالیہ مراد سے نہیں۔ یعنی کہ سوہلا بیٹ تالیہ سے نہیں۔ ہماری اصل ملاقات اس گیلری میں ہوئی تھی۔“

”اسی لیے آپ یہاں آنا چاہتی تھیں۔ آپ وان فاتح سے اسی جگہ ملنا چاہتی تھیں جہاں آپ پہلی دفعہ ان سے ملی تھیں۔“

”How poetic.

”اب تم تالیہ مراد کو سمجھنے لگے ہو۔“

”امید ہے کہ آپ کی کہانی اس سے زیادہ دلچسپ ثابت ہوگی اور میرا یہ سارا وقت ضائع نہیں جائے گا۔“ وہ پور نظر آتا تھا۔

تالیہ نے پلٹ کے غور سے اسے دیکھا۔ ”میں آپ کا وقت ضائع نہیں کر رہی ایڈم۔ یا شاید آپ نے ابھی تک میرے

خلاف دل سے بغض نہیں نکالا۔“

وہ چونکا۔ ”مجھے آپ سے کس چیز کا بغض ہو سکتا ہے؟“

”میری وجہ سے کچھ کھویا تھا آپ نے.....“

”کیا؟“

اس نے ایڈم کی آنکھوں میں دیکھ کے وقفہ دیا۔ ”آپ کے چوزے..... وہ میری وجہ سے کھوئے تھے۔“

ایڈم ہلکا سا ہنس دیا اور گردن موڑ کے اس طرف دیکھنے لگا جہاں فاتح رہن کاٹ رہا تھا۔ کیمرہ کے فلیش کی چکاچوند میں

وہ مسکراتے ہوئے اب پیشا کی فوٹو گرافی پہ تبصرہ بھی کر رہا تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے اس طرف دیکھتے رہے۔

”آپ کی جماعت پہ حیرت ہے۔“ آواز پہ وہ دونوں اپنی ایڑیوں پہ کھوئے تو دیکھا۔ سامنے اشعر کھڑا تھا۔ گلاس اٹھائے

ظہریہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ زہر خند ہوا۔ ”میرا خیال تھا آپ شرمندگی سے اپنے اپارٹمنٹ سے باہر نہیں نکل پائیں

گی۔“

”کیا آپ کو ابھی تک سمجھ نہیں آیا کہ تالیہ کی ہمت کوئی نہیں توڑ سکتا؟“ سیاہ لباس والی لڑکی مسکرائی تو اس کی آنکھوں میں

چمک برآئی۔ اشعر نے تحقیر سے اسے دیکھا اور سرکوشی میں بولا۔

”تم میری بہن کی قاتل ہو۔ میں اپنی بہن کا انتقام ضرور لوں گا۔“

”وہ بہن جس کو بدنام کرنے کے لیے جعلی گھائل غزال بھیجی تھی آپ نے اسے؟“

”آہم۔“ ایڈم کھنکھارا۔ ”آپ دونوں ایک ٹرائل میں گواہی دینے جا رہے ہیں۔ آپ کو آپس میں بات نہیں کرنی

چاہیے۔“

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”کیا اب میں اشعر صاحب کا حال تک نہیں پوچھ سکتی؟“ وہ ابرو اچکا کے مسکرائی۔ ”آپ کا بازو کیسا ہے۔“
 ”دیرنی فنی۔“ اشعر نے تنفر سے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔ مشروب کا آخری گھونٹ بھر کے اس نے گلاس پرے رکھا۔ ایک
 نظر دور مہمانوں میں گھرے فاتح اور میٹھا کو دیکھا۔ پھر اپنے پی ایس کو اشارے سے بلایا۔
 ”احمد نظام.... تالیہ مراد کا وکیل.... اس سے میری بات کرواؤ۔ اس روز ہماری بات ادھوری رہ گئی تھی۔“ وہ زیر لب مسکرا
 کے بولا۔ ماورائے عدالت ساز باز میں اپنا ہی لطف تھا۔

کچھ دیر بعد پی ایس اس کے پاس آیا۔ ”سر.... میں نے ان سے بات کی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں انہوں نے آپ کو فون نہیں
 کیا تھا۔“

اشعر محمود ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا۔ نظریں آہستہ سے تالیہ کی طرف موڑیں۔ وہ دور ایڈم کے ساتھ کھڑی اس سے
 کچھ کہہ رہی تھی۔ سیاہ لباس اور سرخ انیئر رنگز والی لڑکی بالکل مطمئن اور پرسکون نظر آتی تھی۔
 (آپ کا بازو کیسا ہے؟) اشعر تیزی سے مڑا اور ریٹ روم کی طرف بڑھ گیا۔ ایک ہاتھ روم کے اندر آ کے اس نے
 دروازہ بند کیا اور کوٹا تار کے اسٹینڈ پہ لٹکایا۔ پھر تیزی سے بائیں آسٹین اوپر چڑھائی۔
 بازو پہ سرخ سائنٹان نظر آ رہا تھا جو دو تین دن سے اسے ہار ہار کھجانے پہ مجبور کر دیتا تھا۔ جیسے کسی نے بے احتیاطی سے سرنج
 اندر گھسائی ہو۔

اس نے چہرہ اٹھا کے آئینے میں خود کو دیکھا۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ پھر اس نے موہا نل نکالا اور وہ ویڈیو کھولی جو
 اسے ایک پولیس آفیسر نے بھیجی تھی۔ انیئر وگیشن روم میں زخمی چہرے والی تالیہ بیٹھی خوف سے کہہ رہی تھی۔
 ”اغوا کار.... میں نے ان کی شکل نہیں دیکھی.... انہوں نے ماسک پہن رکھے تھے....“

یہ وہ تالیہ نہیں تھی جو ابھی باہر گیلری میں کھڑی تھی۔ وہ زخمی چہرہ وہ اندھیرے سے روشنی میں آنے کا خوف.... وہ سب
 اداکاری تھا۔ وہ اغوا والی کہانی کہانی نہیں تھی۔ وہ اسے حقیقت بتا چکی تھی۔

وہ اس روز فاتح سے ملے نہیں آئی تھی۔ وہ اشعر سے ملنے آئی تھی۔ سگنل اسی نے خراب کیے تھے۔ کال اسی نے کردائی
 تھی۔ وہ جانتی تھی وہ اس کے پیچھے آئے گا۔ اس نے جان بوجھ کے اسے بے ہوش کیا تھا۔ تاکہ وہ اس کے اندر کوئی سرنج داخل
 کر سکے۔ لیکن تالیہ اس کو کس چیز کا انجکشن لگائے گی؟

اس نے الجھ کے بازو کے نشان کو دیکھا۔ باقی ہر شے سمجھ آتی تھی۔ وہ گرفتار ہونے آئی تھی۔ اس نے جان بوجھ کے اشعر
 سے ہاتھ پائی کی تھی تاکہ وہ پولیس کو زخمی حالت میں ملے اور اس کی اغوا والی کہانی ٹھوس لگے۔ لیکن اغوا والی کہانی تو تب ثابت

ہوگی جب پولیس کو وہ کنٹینر ملتا اور....

اشعر نے چونک کے بازو کے نشان کو دیکھا۔ تالیہ نے اسے آنکھیں نہیں لگایا تھا۔ اس نے اشعر کا خون نکالا تھا۔ اس کے پاس ایک بیک تھا۔ گرفتاری کے وقت اس کے پاس سے کوئی بیک نہیں ملا تھا۔ اس نے راستے میں ایک ٹیکسی بدلی تھی۔ وہ ٹیکسی دھینا اس کے کسی سہولت کار کی تھی۔ اس نے بیک اس کی کار میں چھوڑ دیا ہوگا۔ اور اس بیک میں کیا ہوگا؟ اس نے کرب سے آنکھیں میچیں۔ اشعر کے فنگر پرٹس اور خون لگی چیزیں۔ اور دھینا بہت جلد پولیس کو ایسا کنٹینر مل جائے گا جس میں وہ چیزیں موجود ہوں گی۔

☆☆=====☆☆

پولیش کمشنر اپنے آفس میں بیٹھا فائلز دیکھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ چائے کے گگ سے کھونٹ بھر رہا تھا جب دروازہ کھٹکنا کے اس کا ماتحت اندر داخل ہوا۔ کمشنر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

”پھر؟“

ماتحت نے آستینیں جڑھا رکھی تھیں اور لٹو سے بیٹھانی کا پینہ صاف کر رہا تھا۔

”آپ یقین نہیں کریں گے۔“

”میں کر لوں گا۔ تالیہ مراد سچ کہہ رہی تھی؟“ وہ سانس روکے اس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کرسی کھینچ کے بیٹھا اور آگے کو بھٹکے پر جوش آواز میں بتانے لگا۔

”وہ سب سچ کہہ رہی تھی۔ اس کو واقعی انہو کیا گیا تھا۔ آپ نے دیکھا وہ روشنی سے اسی لیے خوفزدہ تھی کیونکہ اسے ایک لمبا عرصہ اندھیرے میں رکھا گیا تھا۔ میری ٹیم کو وہ کنٹینر مل گیا ہے اور اس کے ویکل کا نمبر ۷۷۸۶ ہے۔ وہ آدھا سرخ ہے اور آدھا نیلا۔“

کمشنر نے قائل بندی کی اور مسکرا کے آگے ہوا۔ ”لیکن اگر یہ صرف ایک اتفاق ہوا؟“

”اوپر ہوں۔ آگے تو سنیں۔ کنٹینر کے اندر خون کی دھاریں ہیں۔ جیسے کوئی زخمی حالت میں وہاں سے نکلا ہے۔ خون آلودہ ہیر بھی ہیں۔ ٹوٹی ہوئی جھکڑی، خون آلودہ سی چند ہال اور بہت سے فنگر پرٹس ہمیں ملے ہیں۔ وہاں دھینا کسی کو انہو کر کے رکھا گیا تھا۔“

”لو کے۔ تمام سیکورٹی ایب مجھ کو اور جیسے ہی ٹیسٹ رپورٹس آئیں مجھے اطلاع کرو۔ فرانزک سے کہو کہ اس کنٹینر کا اچھی طرح جائزہ لے۔ یہ کیس بہت دلچسپ ہو چکا ہے۔“

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”آئی نوں سر۔“ وہ جوش سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ کشن نے پیچھے کوٹیک لگائی اور جھرجھری لی۔
(یعنی وہ لڑکی سچ کہہ رہی تھی؟ بہت دلچسپ۔)

☆☆=====☆☆

آرٹ گیلری میں مہمان اب ٹولیوں کی صورت آگے پیچھے نوٹو فریزز کا جائزہ لیتے نظر آرہے تھے۔ پس منظر میں دھیمے سروں میں موسیقی بج رہی تھی۔ ڈرنکس اور سوئیٹس سرودی جاری تھیں۔ ایک ویٹر تالیہ اور ایڈم کے قریب ٹرے لے کر آیا تو ایڈم نے سوئیٹ کا ایک ٹکڑا اٹھالیا۔ تالیہ نے مسکرا کے سر فنی میں ہلا دیا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔

اشعر تیز قدموں سے ان کے قریب آیا تو تالیہ نے معنوی حیرت سے اس کا غصیلہ چہرہ دیکھا۔
”آپ کو کیا ہوا؟“

”تم مجھے اپنے انوا کے جرم میں فریم کر رہی ہو ہاں؟“ وہ سرگوشی میں غرایا۔ ”تم اس دن جان بوجھ کے گرفتار ہوئی تھیں۔ تم نے میرے فنگر پرنٹس لیے۔ میرا خون لیا۔ میرا ڈی این اے اب تم کسی کنٹینر پہ ڈال کے مجھے پھنسانا چاہ رہی ہو؟“
”لوہ واؤ۔“ ایڈم نے لب گول کیے چونک کے تالیہ کو دیکھا۔ اس نے مسکرا کے کندھے اچکا دیے۔
”مجھے نہیں پتہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، اشعر صاحب۔“

”جلدی پولیس کو کوئی ایسا مشکوک کنٹینر مل جائے گا میں جانتا ہوں۔“ وہ چپا چپا کے بولا۔ ”لیکن یاد رکھنا اس طرح کی فریم جابز کامیاب نہیں ہوتیں۔“
”میں نے کہا، مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“
”تالیہ!“

شاسا آواز پہ اسے لگادہ سانس لینا بھول گئی ہے۔ وہ چونک کے مڑی۔ دان قاتح سامنے سے چلا آرہا تھا۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ تعجب تھا۔ خوشی تھی۔ پیچھے وہ گارڈز بھی تھے۔ اشعر تن فن کرتا وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ اب اشعر کی طرف متوجہ بھی نہیں تھی۔

قاتح اس کے عین سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ دم سادھا سے دیکھے گئی۔
”تالیہ.... کیسی ہو؟“ وہ نرم مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔ چھ سال.... یا چھ دن.... درمیان سے وقت کے سارے حساب کتاب غائب ہو گئے تھے۔

اس کے لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”اچھی ہوں۔ وقت میرے ساتھ بہت مہربان رہا ہے۔ اور آپ؟“

”میں ٹھیک ہوں۔ تالیہ۔ میں بہت سوں سے بہتر ہوں۔“ مسکرا کے ہلکے سے شانے اچکائے۔ وہ اس سے نظریں نہیں ہٹایا رہا تھا۔ اور ان نظروں میں اپنائیت تھی محبت تھی مسکراہٹ تھی۔ وہاں کوئی گلہ کوئی سوال کچھ نہ تھا۔

ایڈم گلاس سے گھونٹ بھرنا وہاں سے ہٹ گیا۔ لوگ مڑ مڑ کے ان کو دیکھنے لگے۔ گارڈز قانع کے پیچھے آکھڑے ہوئے اور کسی کو بھی اس طرف آنے سے روکنے لگے۔

ایک دفعہ پھر بھری محفل میں وہ تنہا تھے۔

”لائک نا تم۔“ وہ اس کو دیکھ کے مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

”اچھا؟ میرے لیے جیسے کل کی ہی بات تھی۔“ وہ زخمی سا ہنسی۔ سفید دیواروں پہ لگے سارے سیاہ گھوڑے اپنی گہری آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھنے لگے۔ ارد گرد کی تمام آوازیں بند ہو چکی تھیں۔

”تمہیں یاد ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم پہلی دفعہ ملے تھے۔ ہم سب۔“

”آپ کو بھی یاد ہے؟“ اسے حیرت ہوئی۔ کبھی اس کے بھولنے پہ حیرت ہوتی تھی۔ آج اس کے یاد رہ جانے پہ حیرت ہوئی تھی۔

”ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا تم یہاں آئی ہو گی۔ اب میرے جانے کا وقت ہے۔“ قانع نے کلائی کی گھڑی دیکھی اور پھر اسی بے شیت سے تالیہ کو دیکھا۔ ”میں کل صبح تمہارا انتظار کروں گا۔ تم آرہی ہونا؟“

اس شخص کو کون انکار کر سکتا تھا۔ تالیہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی پلٹ گیا۔ اس کی خوشبو اور ہٹنا طبعیت کا ہالہ اس کے ساتھ ہی دور ہوتا گیا۔

فسوں ٹوٹا تو تالیہ نے چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔ ایڈم قریب ہی کھڑا تھا۔ مسکرا کے قریب آیا اور سرگوشی میں بولا۔

”آپ کی پی ایم سے باتیں کرنے کی تصاویر جو ایک گھنٹے کے اندر اندر سوشل میڈیا پہ آنے والی ہیں یا تو آپ کا کیس خراب کریں گی یا.....“

”اٹس اوکے ایڈم۔“ وہ مسکرا دی۔ ”تالیہ اب کسی چیز سے نہیں ڈرتی۔“ اور کندھے اچکا دیے۔ دور کھڑا شعر ابھی تک ان دونوں کو گھور رہا تھا۔

☆☆=====☆☆

نمائش کے اختتام کے تین گھنٹے بعد..... کوالا پور کے ایک پوش ملاقاتی میں بنے بنگلے کے باہر پولیس کی تین گاڑیاں کھڑی

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

تھیں۔ بنگلے کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے نظر آ رہے تھے اور دیواروں پہ سرخ پینٹ سے نازیبا کلمات لکھے دکھائی دے رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کسی نے بنگلے پہ بری طرح حملہ کیا تھا۔ کہیں کہیں گولیوں کے راؤٹز اور شیل بھی بکھرے تھے۔ پولیس اہلکار ہر جگہ بکھرے ان چیزوں کو اکٹھا کر رہے تھے اور متاثرہ حصوں کی تصاویر لے رہے تھے۔

امدادی فوج میں توڑ پھوڑ کے آثار واضح نظر آتے تھے۔ فرنچر اداہر اداہر بکھرا تھا۔ ڈیکوریشن پوسٹوں پر پڑے تھے۔ پینٹنگز پھٹی ہوئی نیچے پھینکی گئی تھیں۔

بڑے صوفے پہ ایک تیرہ چودہ سالہ لڑکی میٹھا سے لگ کے بیٹھی تھی۔ میٹھا شال لپیٹے سرخ ناک اور گیلی آنکھوں سے سامنے بیٹھے تفتیشی افسر کو ہمار ہی تھی۔

”میں نمائش سے گھر آئی تو سب کچھ اسی طرح پڑا تھا۔ میری پینٹنگز بھی پھاڑ دیں اس نے۔ میرے کمرے کے لا کر سے کیش بھی غائب ہے۔“ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی اور وہ خود کو کمپوز رکھنے کی کوشش میں بری طرح ناکام نظر آتی تھی۔ سارا مسکارا بہہ گیا تھا۔ جیولری تک انار نے کا وقت نہیں ملا تھا۔

”مسز میٹھا..... آپ کو کس پہ شک ہے؟“
اس نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ”پتہ نہیں۔“ اور نظریں جھکا دیں۔
”ماما۔“ نو عمر لڑکی نے شکایتی انداز میں اسے جھجھوڑا۔

”آپ ہٹا کسی ڈر اور خوف کے بتائیں۔ ہم اس کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دلوائیں گے مسز میٹھا۔“
”مجھے نہیں معلوم۔ میری کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔“ وہ جھلا کے بے بسی سے بولی۔

تھوڑی دیر بعد تفتیشی افسر اٹھ کے گیا تو میٹھا نے فون نکالا۔ پھر آنسو پونچھتے ہوئے ایک پیٹ کھولی جس پہ لکھا تھا ”پی ایم قاتل راجہ“۔ اس نے کپکپاتی آنکھوں سے مٹیج ٹائپ کرنا شروع کیا۔

”کیا آپ کی مدد کی آفر ابھی تک برقرار ہے؟“
پیغام بھیج کے اس نے سرگٹھنوں میں جھکا دیا۔ آنسو اب بھی گرتے جا رہے تھے۔

☆☆=====☆☆

ہوا جالیا پہ سرما کی چمکی سی صبح بہت سی نازکی لیے آئی تھی۔ آج منہ اندھیرے سے ہلکی ہلکی ہاش شروع ہوئی تھی جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اکثر لوگ آج گھروں میں دبکے تھے۔ کام پہ تاخیر سے جانے کا ارادہ تھا۔

سری پردھانہ کی اونچی کھڑکیوں سے محل کے وسیع درعیض سبزہ زار ہاش میں بھیکتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ایک

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

راہداری میں کھڑی ایک کھڑکی کے شیشے پہ پڑھکتے قطرے دیکھ رہی تھی۔

فاتح کا پی ایس اپنے ڈیسک پہ بیٹھا اس خاص مہمان کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جب سے آئی تھی کھڑکی کنارے کھڑی تھی۔ یہاں سے باہر کا گھاس بھگتا دکھائی دے رہا تھا۔ سفید کوٹ اور اسکرٹ پہنے کندھوں تک آتے سیاہ بال کھلے چھوڑے اس نے کانوں میں سفید موتی پہن رکھے تھے۔ وہ یہاں کھڑی کوئی سفید مورت لگتی تھی۔

”آپ اندر جاسکتی ہیں۔“ پی ایس نے کھٹکھار کے تالیہ کو اطلاع دی تو وہ دھیرے سے بیٹھی اور کھڑکی کے اونچے دروازوں کی جانب بڑھ گئی۔

وہ پہلی دفعہ سری پردھانہ آنے والوں سے مختلف تھی۔ پی ایس اس کو صرف خبروں اور ٹی وی کی حد تک جانتا تھا۔ پھر بھی اسے دیکھ کے عجیب سا احساس ہوا تھا۔ لوگ سری پردھانہ میں پہلی دفعہ آ کے رعب کا شکار، مسحور نظر آتے تھے۔ البتہ وہ جس اٹھی گردن کے ساتھ آئی تھی اسی اٹھی گردن کے ساتھ اندر چلی گئی۔

ایسے جیسے وہ اس سے بڑے محل دیکھ چکی ہو۔ جیسے وہ ایسے ہی محلوں میں بڑی ہوئی ہو۔

دروازے سے پردھان منتری کی کرسی کا قافلہ چند گز تھا۔ تالیہ نے اندر قدم رکھا تو فاتح بے اختیار اپنی کرسی سے اٹھا۔

”دیکھ بیک۔“ وہ مسکرا کے بولا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ تالیہ نے قدم اس کی طرف بڑھائے۔ ہر قدم کے ساتھ زمین جیسے لہٹی جا رہی تھی۔ ماضی ایک قلم کی طرح نظروں کے سامنے کھوٹنے لگا۔

تنگو کال کی نوکرانی بن کے اس نے فاتح کو پہلی دفعہ جوس پیش کیا تھا۔ ایک قدم.....

عصرہ کی گیلری میں وہ سنہرے بالوں والی لڑکی اس سے ملی تو اس نے اسے ناشہ کہہ کے پکارا.....

چار قدم.....

وہ عصرہ اور اشعر کے ساتھ ان کی ڈائمنگ نیبل پہ بیٹھی گھائل غزال کی اصلیت نہ بتا سکی تھی۔

وہ سن ہاؤس کے گھر کی زیر زمین سیڑھیوں کے نیچے کھڑی تھی جب اس نے ایڈم اور فاتح کو ایک ساتھ نیچے آتے دیکھا۔

پانچ قدم۔

وہ تینوں آگے پیچھے جنگل میں چل رہے تھے..... چھ قدم.....

وہ جیا میں کھڑا چائے پیالیوں میں ڈال رہا تھا..... وہ شہزادوں کا تاج پہنے تبھی سے اتر رہی تھی.....

سات قدم.....

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

وہ قید میں زخمی حالت میں پڑا تھا اور وہ اس کے گال کے زخم پہ مرہم رکھ رہی تھی۔

”آٹھ قدم.....“

وہ اسے بھول چکا تھا اور وہ اس کی چیف آف اسٹاف بنی اس کے لیے کافی کے مگ بھاگتی ہوئی لاری تھی۔

”نودم.....“

وہ اس کے آفس میں کھڑی اسے بتا رہی تھی کہ وہ استعفیٰ دے رہی ہے کیونکہ وہ دوسرے سیاستدانوں جیسا نکلا ہے.....

وہ دونوں یاں سو فو کے کنویں پہ بیٹھے تھے اور اس نے بالوں میں پھول اٹکار کھا تھا.....

”دس قدم.....“

وہ الاؤ کے پاس بیٹھے تھے..... اس قدم تلخے میں..... اور وہ دیوار پہ وہ نظم لکھ رہی تھی.....

”گیارہ قدم.....“

اور وہ اس کے سامنے تھا۔ فاصلے ختم ہو چکے تھے۔

”بیٹھو۔“

وہ کرسی سمجھنے کے بیٹھی۔ سارے ماہ و سال کہیں گم ہو گئے۔ فضا میں عجیب سا سحر بکھر گیا۔

”تم کیسی ہو؟“ وہ آگے کو بھٹکے اس کی آنکھوں میں جھانک کے پوچھ رہا تھا۔ تالیہ نے ابرو اٹھائی۔

”میرا خیال تھا آپ پوچھیں گے کہ تم کہاں تھیں؟“ اس کی آنکھوں میں نمی در آئی۔

”کیا مجھے پوچھنا چاہیے؟“

”ہاں۔ میرا خیال تھا کہ آپ مجھ سے جواب مانگیں گے کہ میں آپ کو چھوڑ کے کیوں چلی گئی؟ کیا میں اپنے باپا کے پاس

رک گئی؟ کیا آپ کو اور ایڈم کو بھیج کے میں نے ایک اور کون گیم کھیلا؟ کیا میں نے آپ کو دھوکہ دیا؟ مگر آپ....“ اس کی

آنکھوں میں تعجب تھا۔ ”آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں؟ میں چھ سال تک دور رہی..... اور آپ نے جواب نہیں مانگا۔ نہ

کل۔ نہ آج؟“

وہ مسکرا کے اٹھا اور پیچھے کھڑکی کے ساتھ رکھے اسٹینڈ تک گیا۔ کھڑکی پوری دیوار جتنی اونچی تھی۔ اس کے پردے کھلے تھے

اور اس کے پار بارش میں بھیگتا سبزہ زار دکھائی دے رہا تھا۔

وہ تالیہ کی طرف پشت کیے بوتل سے پانی چائے کی برقی کیتلی میں اڑیلے لگا۔

”مجھے نہیں معلوم اس روز تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا“ تالیہ۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ میں نے سنا

Downloaded from Pakvociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

کہ ایڈم تمہیں پکار رہا ہے کہ نیچے آؤ۔ لیکن جب میں نے پلٹ کے دیکھا تو ایڈم حیرت سے پیچھے دیکھ رہا تھا جہاں صرف اندھیرا تھا۔ ہم دونوں پیچھے کو پلٹے لیکن دروازہ ایک سیاہ دیوار میں بدل چکا تھا۔ پیچھے کا راستہ ختم ہو چکا تھا۔ میں واپس مڑا تو دیکھا 'سا' منہ ایک اور دروازہ تھا۔ شاس دفعہ کوئی دریا تھا نہ کوئی بارش۔ وہ چابی جویان سو فو نے بنائی تھی وہ عجیب سی تھی۔ میں نے آگے کا دروازہ کھولا تو ہم جو کمراسٹریت پہ نکل آئے تھے۔ تم ہماری ساتھ نہیں تھیں اور میں زخمی تھا۔"

وہ گردن جھکائے اب کیتلی پہ ٹائمر سیٹ کر رہا تھا۔ مٹن دبا کے وہ اس کی طرف مڑا اور اسٹینڈ سے ٹیک لگائے ہتھیلیاں دونوں اطراف میں میز پہ جمائے اس کو دیکھ کے کہتے لگا۔

"میں زیادہ دیر ہوش میں نہیں رہ سکا تھا۔ ایڈم کہاں گیا؟ مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن جب میں ہسپتال میں جا گا تو اشعر میرے ساتھ تھا۔ میں نے تمہارے بارے میں دریافت کیا لیکن کسی نے تمہیں نہیں دیکھا تھا۔ ایڈم کے بارے میں سنا کہ وہ ٹراما سینٹر میں ہے۔ اس کی یادداشت کھو گئی ہے۔ میں ایک دو دفعہ اس سے ملنے گیا لیکن وہ مجھے نہیں پہچانتا تھا۔ اس کا ذہن اس دن تک واپس چلا گیا تھا جب وہ میرا ہاڈی گارڈ بنا تھا۔ میں نے اسے زیادہ تنگ نہیں کیا اور واپس اپنی زندگی میں چلا گیا۔"

"آپ نے استغفیٰ واپس لے لیا؟" اس نے آنسوؤں کا گولہ بدقت لگلا۔

"ہاں۔ لیکن میں ہر چیز سے بد دل ہو گیا تھا۔ چند ماہ تک ہر روز سونے سے پہلے میں سوچا کرتا تھا کہ تالیہ نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کیوں واپس نہیں آئی؟ کیا اس نے یہ جان بوجھ کے کیا؟"

کیتلی کی گھنٹی بجی تو وہ مڑا اور کیبنٹ سے دھک نکال کے رکھے۔ پھر کیتلی اٹھائی۔ اس کے اندر پانی گرم پانی ابل رہا تھا اور کٹری کے ہا ہر ٹھنڈا پانی برس رہا تھا۔

"میں نے ذوالکفنی کو ڈھونڈنا چاہا۔ وہ نہیں ملا۔ میں نے شکار بازوں کو تلاشا۔ شاید کوئی تمہیں اس دنیا سے واپس لے آئے۔ میرا خیال تھا تم وہاں پھنس گئی تھی۔ چند ماہ تک میں خود فراموشی کی حالت میں رہا۔ میرا کیرئیر متاثر ہوا۔ دوسرے لوگ میری کرسی پہ نظر رکھنے لگے۔ تب مجھے تم سے گلے بھی تھے اور شکایات بھی۔ تب تم واپس آ جا تیں تو شاید میں حساب مانگتا۔"

وہ اب گرم ابلتی دھار مگ میں ابل رہا تھا۔ گردن جھکی تھی اور الفاظ ٹھہر ٹھہر کے لبوں سے نکل رہے تھے۔

"لیکن تالیہ..... انسان کو معلوم بھی نہیں ہوتا اور ایک روز وہ نیند سے جاگتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اس نے اپنے دکھ کو ہرا دیا ہے۔ وہ غم اس کے دل کو اب نہیں کاٹدہا۔ انسان نیند سے جاگتا ہے اور اسے ایک دم سے اس کا کلوزر closure مل جاتا ہے۔ غم کو کنارہ مل جاتا ہے۔" اس نے ٹی بیگ کپ میں ڈالا۔ پانی کارنگ تیزی سے سنہرا ہونے لگا۔

"میں ایک صبح اٹھا اور مجھے احساس ہوا کہ تم نے وہ جان بوجھ کے نہیں کیا تھا۔ میں تمہیں جانتا تھا۔ تم کسی مسئلے میں گرفتار

ہو گئی ہوگی۔ تمہارے ہاپا کی کوئی سازش۔ کوئی وقت کا چکر۔ یہ قسمت تھی اور مجھ سے قبول کرنا تھا۔“

دوسرے مگ میں اس نے چائے ڈال کے کیتلی رکھی۔ پھر چینی کے کیوبز دونوں مگوں میں ڈالے۔ پھر انہیں اٹھائے اس کے سامنے آیا۔ اس کا مگ رکھا اور اپنا لیے واپس اپنی کرسی پہ بیٹھا۔

”ان چھ سالوں میں کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب مجھے تمہارا خیال نہ آیا ہو۔ اور میں ہمیشہ تمہاری خیریت کا سوچتا تھا۔ تم اس دنیا میں ہو یا اس دنیا میں.... میری دعا تھی کہ تم ٹھیک رہو۔ کل تم سے ملنے سے پہلے تک میرے ذہن میں واقعی سوالات تھے لیکن اب نہیں ہیں۔“

”کیوں؟ کل مجھے دیکھ کے کیا لگا آپ کو؟“

دونوں مگ میز پہ یوں رکھے تھے کہ ان کی اڑتی ہواپ ان دونوں کے درمیان ہار ہار حائل ہو جاتی تھی۔ وہ اس سوال پہ مسکرا دیا۔

”میں نے پچھلے چھ سال تمہاری ہر بات پہ غور کیا ہے۔ ہر کون ہر حرکت جو تم نے میرے سامنے کی یہاں تک کہ مجھے تمہارے چہرے کا ایک ایک تاثر یاد ہوتا گیا۔ تالیہ کب خوش ہوتی ہے۔ تالیہ کب خوشی ظاہر نہیں کرتی۔ کب وہ کامیاب ہوتی اور کب بے بس۔ تالیہ کی cryptic باتوں کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ مجھے لگتا ہے میں نے تمہاری غیر موجودگی میں تمہیں زیادہ اچھے سے پڑھ لیا ہے۔“

”اور؟“ اس نے سنجیدگی سے ابرو اٹھایا۔

”اور کل تمہیں دیکھ کے مجھے اندازہ ہو گیا کہ تم خوش ہو۔“ اس نے مگ لبوں سے لگاتے ہوئے مسکرا کے کہا۔

”میرے اوپر ایک مرڈر ٹرائل چل رہا ہے۔ میں تمہانے میں ایک دن گزار کے آئی ہوں۔ مجھے سارا ملک مجرم سمجھ رہا ہے۔ میری زعمگی کے چھ سال کھو گئے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں خوش ہوں؟“

”ہاں۔ جب تم نے کہا وقت تم پہ مہربان رہا ہے تو میں سمجھ گیا تھا کہ تمہیں کچھ مل گیا ہے۔ کوئی ایسی خوشی جو تم شیز نہیں کر سکتیں۔ لیکن وہ تمہارے انک انک سے پھوٹ رہی ہے۔“ وہ ٹیک لگائے گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اسے دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ ”اور میں نے تمہاری انٹیر ویکشن کی ویڈیو بھی دیکھی تھی۔ وہ سب ایک ایکٹ تھا۔ مجھے پتہ ہے۔“

”واؤ۔“ وہ مسکرا دی۔ ”آپ جانتے ہیں اس رات کیا ہوا تھا؟“

”میں سننا چاہوں گا۔“

”وقت نے میرے ساتھ چال چلی۔ میں دروازے میں دیر سے داخل ہوئی۔ شاید چھ سیکنڈ دیر سے۔ اور جب میں باہر

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

جو کرا سٹریٹ پہ ٹپلی تو چھ برس گزر چکے تھے۔“
”لو۔“ اس کے لبِ تعجب سے سڑے۔

”آپ لوگوں نے ایک زمانہ میرے بغیر گزار لیا۔ لیکن میں؟ میرے چھ سال کھو گئے۔ اور اب وقت کو واپس جگہ پہ لانے کا کوئی طریقہ میرے پاس نہیں بچا۔ میں آج بھی وہی کھڑی ہوں۔ مجھے ابھی عصرہ کے قتل کا الزام ہٹانے کے لیے ایک لمبی لڑائی لڑنی ہے۔“

”میں نہیں جانتا مجھے کیا کہنا چاہیے۔ لیکن میں نے تمہیں مس کیا تالیہ۔ بہت زیادہ۔“

وہ زخمی سا مسکرا دی۔ ”میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کیونکہ کوئی چھ دنوں میں کسی کو کتنا مس کر سکتا ہے؟“

”مگر تم خوش ہو۔ کیوں؟“ فاتح نے گھونٹ بھر کے مگ میز پر رکھ دیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ کھڑکی کے باہر برستی بارش اب تھمنے کو تھی۔

”آپ واقعی مجھے جانتے ہیں۔“ وہ دھیرے سے ہنس دی تھی۔ ”میں واقعی خوش ہوں“ فاتح۔ مجھے بالآخر وہ مل گیا ہے جس کی مجھے عرصے سے تلاش تھی۔“

”تمہاری بے گناہی کا ثبوت؟“

”اوپن ہوں۔ ابھی تک میرے پاس کوئی خاص ثبوت نہیں ہے۔ لیکن میرے پاس کچھ اور ہے۔“ وہ مبہم سا مسکرا کے کہتی اٹھی۔ ”میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ ہم ملتے رہیں گے۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ اتنے عرصے بعد بھی نہیں بدلے۔ آپ آج بھی مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔“

”اور میں خوش ہوں کیونکہ تم خوش ہو۔ میں ریلیف محسوس کر رہا ہوں۔ تمہیں اس اطمینان اور بہادری کے ساتھ ان الزامات کا مقابلہ کرتے دیکھ کر۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں تمہیں اس معاملے سے نکال لوں گا۔ لیکن اب مجھے نہیں لگتا کہ تالیہ مراد کو میری مدد کی ضرورت ہے۔“

”جو مجھے آتا ہے وہ میری جان ہمیشہ بچاتا رہے گا۔“ اس نے سر کو تعظیماً جھکایا۔ پھر اطراف میں اس پر تعیش آفس کو دیکھا۔ ”یہ عہدہ پا کے کیسا لگتا ہے؟“ فاتح؟ سوری میں آپ کو دوسری تو انکویا یا نگ دی امان برحمت وغیرہ نہیں کہہ سکوں گی۔“
”میں ماسٹڈ نہیں کروں گا۔“ اس نے کندھے چکاتے ہوئے ہٹکا رہا تھا۔ ”اور یہ گنگو کسی اور وقت کے لیے سہی۔ لیکن کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گی کہ تم خوش کیوں ہو؟“

”آپ جان جائیں گے۔“ وہ مبہم سا مسکرا کے کہتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ نہ کوئی گلہ نہ قسمت کی ستم ظریفی کا

Downloaded from PakSociety.com

تذکرہ۔ وہ جیسے دن بعد ملے تھے۔ اور وہ ویسا ہی تھا۔
وہ جیسے سال بعد ملے تھے۔ اور وہ ویسے ہی تھی۔

ایک دفعہ پھر دونوں نے ایک دوسرے کی زندگی میں اپنی موجودگی کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا۔ ایک دفعہ پھر وہ مشکل گفتگو ان کے درمیان آڑے آگئی تھی۔

وہ ان لوہے دروازوں سے نکلے تو ہال کے پار دروازے کے سامنے اشعر محمود کھڑا تھا۔ تھری پیش میں تک سک سے تیار وہ تندی سے اسے گھوڑے جا رہا تھا۔ اسے دیکھ کے تالیہ کھلے دل سے مسکرائی اور اس کی طرف آئی۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ وہ مانتے پھٹکنیں ڈال کے بولا۔

”مجھے پڑھان منتری نے بلایا تھا۔ آپ کو اعتراض ہے کیا؟“ امرواٹھا کے پوچھا۔

اشعر نے ایک کامن روم کی طرف اشارہ کیا اور خود اس طرف بڑھ گیا۔ وہ پیچھے آئی۔ اندر آ کے اس نے دروازہ بند کیا اور اس کی طرف کھوا۔

”میں نے سنا ہے پولیس کو ایک کنٹینر ملا ہے۔ اور فنگر پرنٹس وغیرہ بھی۔ ان کا بیچ ڈھونڈا جا رہا ہے۔“ وہ دہی آواز میں غرایا۔ تالیہ نے مسکرا کے شانے اچکائے۔

”میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں نے اپنے ماسک پہنے اغوا کار کو زخمی کیا تھا اور اس نے مجھے۔ معلوم نہیں ماسک کے پیچھے کون تھا لیکن پولیس یہ ضرور دیکھے گی کہ کس کی ناک پہ زخم کا نشان ہے۔“ اس نے اشعر کی ناک کی طرف اشارہ کیا۔

”لوہ پلیر۔“ وہ غصے سے بولا۔ ”تم نے مجھے فریم کرنے کے لیے بہت ہی ظاہری ثبوت چھوڑے ہیں۔ اگر میں اغوا کار ہوتا تو اس کنٹینر کو صاف کیوں نہ کرتا؟ سارے ثبوت وہیں کیوں چھوڑ دیتا؟“

”جیسے میں عصرہ کی قاتل ہوتی تو اپنے ہی کارڈ سے ایک کیوں آرڈر کرتی؟“

اشعر ایک دم بالکل لا جواب ہو گیا۔

”یہی مسئلہ ہے حقیقی دنیا کی پولیس کا اشعر۔ وہ صرف ظاہری ثبوتوں کا پیچھا کرتی ہے۔ اگر آپ کے فنگر پرنٹس اس کنٹینر پہ مل گئے نا اشعر... تو آپ بڑی مشکل میں پھنسنے جا رہے ہیں۔“

”تم۔“ مارے ضبط کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ”تم اچھی طرح جانتی ہو میں نے تمہیں اغوا نہیں کیا تھا۔ پھر تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟“

”اور آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ عصرہ کا قتل میں نے نہیں کیا تھا۔ میں بے قصور تھی۔ میں اتنے بے وقوفانہ ثبوت

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

کیسے چھوڑ سکتی تھی۔ لیکن مجھ سے تنفر کے باعث آپ نے سب سے پہلے مجھے اصرام دیا۔ آپ کی گواہی نے مجھے مفرد ملزم بنایا۔ تو اگر میں ٹرائل کا سامنا کرنے جا رہی ہوں تو میں اکیلی کیوں جاؤں؟ آپ آرام سے کیوں بیٹھیں؟“

”میں اس کیس کو ایک چٹکی میں اپنے اوپر سے شتم کروادوں گا۔ سمجھیں آپ۔“ اس نے چٹکی بجا کے کہا اور مڑ گیا۔

”یعنی ایک دفعہ پھر اشعر محمود خود کو تالیہ کے خلاف اتنا مصروف کر لے گا کہ اسے کچھ اور نظر ہی نہیں آئے گا۔“ وہ بڑبڑائی تھی۔

اشعر محمود جاتے جاتے رکا۔ پھر آہستہ سے پلٹا۔

”مصروف؟؟“ اسے اتنا معلوم تھا کہ تالیہ بے مصروف کوئی بات نہیں کہا کرتی تھی۔

”ہاں نا۔ مصروف۔ آپ تالیہ مراد کو گرفتار کرنے میں اسے مصروف تھے کہ نوٹری پبلک یا میڈیم کی طرف سے آنے والی کالز پر آپ نے توجہ نہیں دی۔“

”کیسی کالز؟“

”بھی تو مسئلہ ہے۔ آپ جیسے لوگ جب حکومت میں آتے ہیں تو ہر دو ماہ بعد اپنا نمبر بدل لیتے ہیں تاکہ عام حوام کی رسائی سے دور ہو جائیں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی۔ ”اس لیے نوٹری والوں کا آپ سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ وہ عصرہ کی وصیت پہ عمل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ وصیت کے ایگزیکوٹر نہیں تھے۔ اس لیے انہوں نے آپ کو زیادہ تنگ نہیں کیا اور وصیت پہ عمل درآمد کروادیا۔“

”اوہ۔ وہ لہٹیک نوادرات؟“ اشعر نے گہری سانس لی۔ ”مجھے معلوم ہوا تھا کہ میوزیم وہ آپ کے حوالے کرنے جا رہا ہے۔ پہلی بات ان کی کوئی خاص ویلیو نہیں ہے۔ دوسری بات اس وصیت کے خلاف میرا ایک کلیم چٹکی میں (چٹکی بجائی) اس کو منسوخ کروا سکتا ہے۔ وہ لہٹیک میرے خاندان کی ملکیت تھے۔ اور میرے ہی رہیں گے۔“

”وہ لہٹیک جس میوزیم کے پاس امانت تھے انہوں نے کل وہ مجھے دے دیے تھے کیونکہ وصیت کے مطابق ان پہ میرا حق تھا۔“

”سو؟ میں ابھی عدالت میں کلیم جمع کروادوں گا اور وہ مجھے واپس مل جائیں گے۔ اگر آپ نے وہ بیچ دیے تو آپ کو ان کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔“

تالیہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ پھر سر ہلایا۔ ”آپ درست کہہ رہے ہیں۔ آپ سول کلیم داخل کرا کے انہیں واپس لے سکتے ہیں۔ جب میں واپس آئی تھی تو سب سے بڑا عذاب مجھے یہ لہٹیک لگے تھے جو عصرہ نے میرے گلے ڈال دیے تھے۔ لیکن

پھر مجھے احمد نظام نے ایسی بات بتائی جس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وقت مجھ پہ بہت مہربان رہا ہے۔
”کیا؟“ وہ پتلیاں سکڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

”یہ کہ ملائیشیا میں سول مقدمے کا ایک statute of limitation ہوتا ہے۔ آپ وکیل ہیں۔ آپ کو یاد ہے کتنی میعاد تک آپ کسی کے خلاف سول مقدمہ دائر کر سکتے ہیں؟“

اشعر محمود کی رنگت ایک دم سفید پڑی۔ اس نے تیزی سے تیل فون نکالا۔ مگر وہ مسکرا کے کہے جارہی تھی۔

”میں نے احمد نظام سے پوچھا کہ چھ سال میں کیا بدل جاتا ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ آپ ملائیشیا میں پورے چھ سال تک سول مقدمہ دائر کر سکتے ہیں۔ اگر کسی معاملے کو چھ سال گزر چکے ہوں تو آپ مقدمہ نہیں دائر کر سکتے۔ اب آپ کے سول کلیم کی میعاد ختم ہو چکی ہے۔ عدالت آج وہ نوار دات مجھے دے دے گی اور آپ کچھ نہیں کر سکتے۔“ پھر وہ رکی اور مظلوظ انداز میں اضافہ کیا۔

”جب عصرہ نے ان کو میرے نام لگایا تھا تو ان کو نہیں معلوم تھا کہ یہ نوار دات جن اصل شہ پاروں کا حصہ ہیں وہ صدیوں سے زمین میں دفن ہیں۔ اس وقت ان کی کوئی ویلیو نہیں تھی۔ لیکن چند ماہ پہلے ہانگ کانگ میں کھدائی کے دوران ملا کہ کی تہذیب کے چند ایسے نوار دات ملے تھے جنہوں نے عصرہ کے ان بے کار نامہ کھنڈروں کی اہمیت آسمان پہ پہنچا دی ہے۔ لیکن آپ کو علم کیوں نہ ہو سکا؟“

اشعر بس ششدر سا اسے سنے جا رہا تھا۔

”تین باتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو میوزیم کے کیورٹرز نے یہ بات آپ سے چھپائی کیونکہ وہ انہیں اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ یا آپ اپنی سیاست میں اتنے مصروف رہے کہ آپ کو معلوم نہیں ہو سکا کہ غیر ملکی کلیکٹر ان نوار دات کی قیمت کئی ملین ڈالرز تک پہنچا چکے ہیں۔ یا آپ کو ان کی اصل قیمت معلوم تھی لیکن آپ انہیں فاتح کی فیملی کو نہیں دینا چاہتے تھے ورنہ کب کا کلیم داخل کر دیا چکے ہوتے۔ لیکن مجھے.....“ دیرے سا اپنے سینے پہ انگلی سے دستک دی۔

”مجھے آرٹ کی پہچان بھی ہے..... اور میرے آرٹ کی دنیا سے روابط بھی ہیں۔ وہ نوار دات اب صرف میرے ہیں۔“ وقت“ کو معلوم تھا کہ ان کی تب اہمیت نہیں ہے۔“ وقت“ نے ان کو قیمتی بتایا اور مجھے اتنی مہلت دی کہ آپ ان کو مجھ سے چھین نہ پائیں۔“

اشعر محمود تیزی سے موہائل پہ نمبر ملارہا تھا۔ ”میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ میں سول کلیم داخل کر کے دکھاؤں گا۔“

”یہ کام آپ کو بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔ لیکن آپ نے جان بوجھ کے نہیں کیا۔ میرا خیال ہے آپ کو ان کی اہمیت معلوم

تھی۔ آپ صرف انہیں قاتل کے بچوں کو نہیں دینا چاہتے تھے۔“

وہ بکنا جھکتا، فون کان سے لگاتا تیزی سے ہاہر نکل گیا۔ اس کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی اور حواس اڑتے جا رہے تھے۔

تالیہ مسکرائی اور ہاہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

اس کو ہالآخر وہ خزانہ مل چکا تھا جس کی اسے برسوں سے تلاش تھی۔

وقت اس پہ بہت مہربان رہا تھا۔

☆☆=====☆☆

جھیل کا پانی سرما کی دھوپ میں چمک رہا تھا۔ دو بطنیں ست روی سے تیرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ گاہے بگا ہے وہ اپنے گرد نیں پانی میں ڈالتیں اور پھر سردائیں ہائیں ہلاتے ہوئے اسے ہاہر نکالتیں۔ ارد گرد چھینٹے اڑتے جاتے۔ البتہ جھیل کنارے رکھا واحد پنچ ان کے چھینٹوں کی پہنچ سے دور تھا۔

پنچ پہ ایلم بن محمد بیٹھا تھا۔ سفید ہائی نیک جرسی پہنے وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے موہائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔ ایلم کی پشت پہ تالیہ بنا آواز کے قدم اٹھاتی آئی۔ دھیرے سے سفید ہیٹ اتار اور اس کے ساتھ پنچ رکھا تو وہ چونکا اور پلٹ کے دیکھا۔ پھر رسی سا مسکرایا۔

”آپ کا فیکسٹ کافی دلچسپ تھا۔ آپ نے لکھا کہ آپ کے ہاتھ خزانہ لگ گیا ہے۔“

”ہوں۔“ وہ مبہم سا مسکراتی ہوئی آگے آئی اور اس کے ساتھ بیٹھی۔ دونوں کا چہرہ اب جھیل کی طرف تھا اور ان درمیان سفید ہیٹ رکھا تھا۔

”مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آج عصرہ محمود کے وصیت کروہ نوار دات آپ کو تقویٰ کر دیے گئے ہیں۔“

تالیہ نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ اس کی مسکراتی آنکھوں میں ڈوبتے سورج کا عکس تھا۔

”اپنی معلومات اب ڈیٹ کر لیں۔ میں نوٹری پبلک سے آرہی ہوں۔ نہ صرف نوار دات مجھے مل گئے ہیں بلکہ میں نے

انہیں موقع پہ فروخت بھی کر دیا ہے۔“

”اتنی جلدی کا ہک کیسے مل گئے آپ کو؟“

”میں اتنے دن سے گاہک ہی تو تلاش کر رہی تھی۔ تاکہ وصیت پہ عمل درآمد ہوتے ساتھ ہی میل کھل کر دوں۔ مجھے میری

رقم مل چکی ہے اور نوار دات اپنے نئے مالکوں کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ اب مجھے ان کے چوری ہونے کا ڈر بھی نہیں ہے۔“

”دلچسپ۔“ چھ سال کی قانونی میعاد نے آپ کو بچالیا۔ کیا آپ اسی لیے چھ سال بعد آئی ہیں تاکہ آپ ان نوار دات کو

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

حاصل کر لیں؟“ ایڈم نے نوٹ بک نکالی اور گھسنے پہ اس کو رکھ کے کچھ لکھنے لگا۔

”میں جانتی تھی آپ یہ سوچیں گے۔ بلکہ عدالت بھی یہ سوچے گی۔ احمد غلام نے بھی یہی کہا تھا لیکن مجھے پرواہ نہیں۔ میں بس یہ چاہتی تھی کہ اشعر محمود کو اس بارے میں کم سے کم معلوم ہو۔ اور ایسا ہی ہوا۔ معلوم ہونے کے باوجود بھی وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا لیکن ایسے حزانہ آتا۔“ اب وہ مسکرا کے جھیل کے پانی کو دیکھ رہی تھی۔

”کیا میں اس وقت کو الہ پور کی امیر ترین خواتین میں سے ایک کے ساتھ بیٹھا ہوں؟“ وہ مسکرا کے پوچھنے لگا۔

”میں آج فاتح سے ملی۔“ وہ اس کا سوال نظر انداز کر کے دور تیرتی ہوئی بطنوں کو دیکھ کے بولی۔

”ہوں۔ گڈ۔ اور کیا نتیجہ نکلا اس ملاقات کا؟“ وہ لکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

”ان کی زندگی میں میری جگہ نہیں ہے۔“ وہ اداسی سے بولی۔ ”حالانکہ وہ میرے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آئے۔ وہ مجھے دیکھ کے خوش بھی ہوئے۔ لیکن ایڈم..... انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا اور اس کی جگہ کسی کی زندگی سے وقت کے ساتھ کتنی آسانی سے ختم ہو جاتی ہے۔“

”کیا میں یہ بھی لکھ دوں؟“ اس نے رسی انداز میں پوچھا۔ وہ چہرہ موڑ کے بس اس کو دیکھنے لگی۔

”آپ ہماری زندگی کا اتنا اہم حصہ تھے اور اب آپ پوچھ رہے ہیں کہ کیا آپ یہ لکھ دیں؟“ اس کے انداز میں گدگد تھا۔ ایڈم نے گہری سانس لی۔

”مس مراد... میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میری یادداشت میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔“ اس کا چہرہ سپاٹ سا تھا جیسے کسی ایسے اجنبی کا ہوتا ہے جسے کام کے باعث کچھ وقت ایک اجنبی کے ساتھ گزارنا پڑے۔ شائستہ مہذب، پیشہ ورانہ لیکن باجانبی رویہ۔

”اچھا ہوا آپ کو یاد نہیں ہے۔ ورنہ میرے اور آپ کے درمیان ایک تکلیف دہ یاد تھی جس کے بارے میں ہم کبھی بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔“

”اچھا؟ کیسی یاد؟“ اس کے انداز میں معمولی سی دلچسپی در آئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور جھیل ان کے سامنے پرسکون سی بہتی ان کو تک رہی تھی۔ بطنیں اب تیرتی ہوئی دور جاری تھیں۔

تالیہ چند لمحے اس کو دیکھتی رہی پھر مسکرا کے سر جھٹک دیا۔ ”کچھ نہیں۔“

”ظاہر ہے اب میں اصرار کروں گا کہ آپ مجھے بتائیں۔“

”میری وجہ سے آپ کے چوزے کھوئے تھے۔ آپ مجھے ان کے لیے موردِ اِثرام ٹھہراتے تھے۔“ وہ نم آنکھوں سے مسکرا

کے بولی۔ تو ایلم نے پتلیاں سکڑ کے اس کا چہرہ دیکھا۔

”آپ نے یہ بات گھڑی ہے۔ ورنہ میں اپنے چوزوں کی موت پہ یوں کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتا۔“ وہ ہلکا سا ہنس کے واپس ڈائری پہ کچھ لکھنے لگا۔

”بس.... بھی چیز... اسی کا میں انتظار کر رہی تھی۔“ وہ تیزی سے اس کی طرف گھومی تو ایلم نے سوالیہ نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ شہزادی کی مسکراتی آنکھوں میں چمک تھی۔

”کیا؟“

”میں نے کب کہا کہ چوزے مر گئے تھے؟ میں نے کہا کہ وہ کھو گئے تھے۔“

ایلم کا قلم چلاتا ہاتھ رک گیا۔ وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا۔

جھیل کا پانی بھی ساکت ہو گیا اور بطنیں مڑ کے انہیں دیکھنے لگیں۔

”آپ نے خود ہی مجھے اس دن بتایا تھا کہ...“ وہ الجھ کے کہنے لگا لیکن تالیہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

”بس کرو! ایلم... کتنی اداکاری کرو گے؟ مجھے معلوم ہے تمہیں کچھ نہیں بھولا۔“

وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولی۔ وقت ان کے آس پاس ہی ٹھہر گیا۔

”مجھے پہلے دن پہلے لمحے سے معلوم ہے کہ تمہیں سب یاد ہے۔ میں نے تمہیں تمہارا وقت دیا۔ اب بس کرو۔“

ایلم نے قلم کا ڈھکن چڑھایا، اسے جیب میں رکھا اور نوٹ بک کو پینٹ کی جیب میں ڈالا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ

بالکل سٹاٹ تھا۔ تالیہ نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔

”تم اچھی اداکاری کر لیتے ہو لیکن میں تمہیں جانتی ہوں۔ تم نے ہا پا سے کہا تھا کہ اب ایلم بن محمد اپنے لیے جیے گا۔ جب

میں نے تمہاری یادداشت کا سنا تو جان گئی کہ تم نے وہ ٹانگہ اسی لیے رچایا ہے۔ تمہیں دیکھ کے یقین بھی ہو گیا۔“ وہ گردن اٹھا

کے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ جھیل کو دیکھ رہا تھا۔

”تمہیں یہ لگتا ہے کہ تم مجھ سے ناراض ہو؟ اسی لیے صرف پرفیشنل وجہ سے میرے ساتھ کام کر رہے ہو؟ تم ناراض ہو کہ

میں نے اتنے برس رابطہ کیوں نہیں کیا؟ غلط۔ تم خود سے جھوٹ بول رہے ہو۔ اگر تم مجھ سے ناراض ہوتے تو میری اتنی مدد نہ

کرتے۔“

ایلم نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ اس کی رعنت دہکتی گلابی ہو چکی تھی اور آنکھوں میں سرخی تھی۔

”آپ کیا سمجھتی ہیں؟ آپ اتنے سال بعد کسی کی زندگی میں ایک دفعہ پھر سے وارد ہو جائیں گی اور وہاں آپ کے لیے

Downloaded from Paksociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

جگہ ہوگی؟ سب کچھ پہلے جیسے ہو جائے گا؟ نہیں! چہ تالیہ۔ آپ نے پیچھے رہنے کو خود چنا تھا۔ آپ نے مجھے چھوڑ دینے کو خود چنا تھا۔ میری زندگی میں اب آپ کی جگہ نہیں بچی۔“ یہ کہہ کے اس نے قدم آگے بڑھا دیے۔

وہ چپ چاپ اسے دور تھیل کی طرف جاتے دیکھے مچی۔ وہ پانی کے قریب جا کے کھڑا ہو گیا تھا۔ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے وہ اب پانی کے لو پر ڈوبتے سورج کو دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ اسے ایڈم کو پورے دس منٹ کے لیے اکیلا چھوڑنا تھا۔ اس کا غصہ اور شرمندگی دس منٹ میں جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گی۔ وہ جانتی تھی۔

اس نے ہیٹ سر پہ رکھا اور گھڑی کو دیکھتے ہوئے ایک ایک سیکنڈ گنتے لگی۔

بچھے سال ہوں یا بچھے دن! تالیہ مراد ایڈم بن محمد کے ہر انداز سے واقف تھی۔

یہ سارے کون گنہگار! اس نے ایڈم کو سکھائے تھے۔ استاد کو کون مات دے سکا ہے بھلا؟

☆☆=====☆☆

وان قاتح کی رہائش گاہ کے مرکزی لاؤنج میں اس وقت ملازموں کی ایسی چہل چل پھیلی تھی جیسی کسی مہمان کی آمد کے وقت ہوتی ہے۔ کوئی گیسٹ روم سیٹ کرنے جا رہا تھا۔ تو کوئی میٹھا کے ٹرائل بیگز لیے ایک طرف جا رہا تھا۔

”یہاں آپ بالکل محفوظ ہوں گی۔ کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا“ مسز میٹھا۔“

وسط لاؤنج میں گھڑی جو لیا نہ بہت اپنائیت سے میٹھا کا ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی۔ میٹھا اور اس کی بیٹی کے چہرے بچھے بچھے تھے۔ زرد خوف اور بے یقینی کا شکار چہرے۔

”مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا یوں جولی۔“ میٹھا نے لاؤنج کی میز پہ ہینڈ بیگ رکھتے ہوئے یاسیت سے کہا۔ ”ایسے خود کو کسی کے اوپر بوجھ بٹانا غیر مناسب ہے۔“ وہ شدید غیر آرام دہ لگتی تھی۔

”کم آن مسز میٹھا.... آپ اتنے برسوں سے ہماری فیملی کا حصہ ہیں۔ جب تک وہ گرفتار نہیں ہوتا“ آپ یہاں محفوظ رہیں گی۔“

”ہاں لیکن میں نے داتو سری کو بتا دیا تھا کہ بیارٹ جمعیت صرف اس کے گرفتار ہونے تک ہے۔ جیسے ہی وہ پکڑا گیا“ ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔“

”جی مسز میٹھا۔ اور آپ اتنی شرمندہ نہ ہوں۔ یہ ویسے بھی ڈیل کا آئیڈیا تھا کہ آپ یہاں رہیں۔ ورنہ آپ تو غیر ملکی پناہ کے لیے پلائی کرنے کا کہہ رہی تھیں۔ بھانگنا اس مسئلے کا حل تو نہیں ہے۔“

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

میشا زنی سے مسکرا دی۔ ”تم کتنی سمجھدار ہو گئی ہو جولی۔“ اور پھر گردن اٹھا کے اس محل نما گھر کی اونچی چھت کو دیکھا۔
 ”مجھے برا اس لیے لگ رہا ہے کیونکہ میں نے پہلی دفعہ تمہاری فیملی سے تعلق کا فائدہ اٹھایا ہے۔ اور میرے ضمیر پہ یہ چیز
 بہت بوجھ دے رہی ہے۔ ان شاء اللہ میں اس فیور کو ضرور لوٹاؤں گی۔“ وہ مسکرا کے بولی تو جولی انہ نے بھی مسکرا دی۔
 ”میں آپ کو آپ کا روم دکھاتی ہوں۔ آجائیں۔“ وہ خوشی خوشی ان دونوں کو لیے راہداری کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆=====☆☆

تالیہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کتنی مکمل کی اور بج سے اٹھی۔ وہ ابھی تک پانی کے قریب کھڑا تھا۔ تالیہ کی جانب پشت تھی۔
 وہ اس سے چند قدم پیچھے کی اور کھٹکھاری۔

”اگر تم اتنے خفا ہو تو ابھی تک یہاں کیوں ہو؟“

جواب میں اس نے خفگی سے تالیہ کو دیکھا اور جانے کے لیے تیزی سے مڑا۔ وہ سرعت سے اس کے سامنے آ گھڑی
 ہوئی۔ ایلم کا راستہ رک گیا۔

”تم مجھ سے خفا نہیں ہو مان لو۔“ وہ زور دے کر بولی۔

”مجھے آپ سے خفا ہونے کا حق بھی نہیں ہے۔“ وہ اتنی ہی تندہی سے بولا۔ اس کا چہرہ اب کسی اجنبی کا چہرہ نہیں تھا۔ یہ ایلم
 تھا۔ پرانا ایلم۔

”تم سمجھتے ہو میں جان بوجھ کے پیچھے رہ گئی؟ یہی سوال میں تم سے پوچھوں اگر؟ تم میرے بغیر کیوں گئے؟ میرا انتظار کیوں
 نہیں کیا؟ دروازہ کیوں بند کر دیا؟ جانتے ہو میں چھ سال کے لیے وقت کے دروازے میں مقید ہو گئی تھی۔“

وہ اتنی دہشتی سے بولی کہ ایلم کے تاثرات بدلے۔ ماتھے کی سلونیں عائب ہوئیں۔

”واٹ؟ آپ چھ سال کے لیے قید ہو گئی تھیں؟“

”آف کورس نہیں۔ یہ تو میں نے تمہارا موڈ درست کرنے کے لیے کہا تھا۔“ وہ ہلکی سی ہنسی۔ ایلم نے بھنویں بچھنے کے اسے
 دیکھا۔ وہ عجیبہ ہوئی۔

”پچھلے چھ سال میرے لیے نہیں گزرے۔ ایلم۔ میرے لیے صرف ایک لمحہ گزرا تھا۔ دروازہ بند ہوا میں نے کھولا اور

دیکھا تو آگے ۲۰۲۳ کا ملا کہ تھا۔ وقت آگے بڑھ گیا تھا اور میں پیچھے رہ گئی تھی۔“

ایلم کے شانے ڈھلک گئے۔ وہ بس اچھنبے سے اسے دیکھ گیا۔

”سوچ رہے ہو کاب کس بات پہ خفگی ظاہر کرو؟ جبکہ تمہارے پاس وجہ ہی نہیں ہے۔“

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”مجھے کیا معلوم کہ آپ سچ کہہ رہی ہیں یا نہیں۔“ اس نے آواز کو خفہ مانے کی کوشش کی۔ ماتھے کو پھر سے شکن آلود کرنا چاہا۔

”آؤ..... کافی پیتے ہیں۔“ اس نے ہیٹ ترچھا کیا اور اسے چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ اسی خفا شکل کے ساتھ اس کے ساتھ چل دیا۔

پچھلے گھاس پہ ایک واکنگ ٹریک بنا تھا۔ دونوں اس پہ چلتے چلتے آگے آئے۔ درختوں کے سچ خاموشی سے چند موڑ کاٹے یہاں تک کے سوپ اور کافی کے کارٹ دکھائی دینے لگے۔

وہ دونوں ایک کارٹ کے پاس رکے۔ تالیہ نے ہیٹ اتار کے کارٹ کے ایک کپ سے لٹکایا اور سلیز مین کو دو نوٹ پکڑائے۔ کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ اس کی طرف گھوی۔

”کیسے گزرے تمہارے چھ سال؟“

”وقت آپ کے لیے واقعی نہیں گزرا؟“ وہ ابھی تک مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے کندھے اچکائے۔

”میں ایک دفعہ تمہیں بتا چکی ہوں اور تمہیں یقین بھی آچکا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ یادداشت والا ٹانگ؟“

ایڈم نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے کندھے جھٹکے اور دور نظر آتی جھیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”یہ آسان تھا۔“

”جھوٹ بولنا؟“

”ماضی سے بھاگنا۔ چاہے آپ ہمارے ساتھ آئیں چاہے نہ آئیں میں نے مراد راجہ کی قید میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں یادداشت کھونے کی اداکاری کروں گا۔ مجھے آپ کی کہانی سے لگنا تھا۔ اپنی کہانی از سر نو لکھنی تھی۔ اپنے آپ کو اس سب سے نکالنا تھا۔“

”کیا اس طرح تکلیف کم ہو جاتی ہے؟“

”پتہ نہیں۔“ اس نے سلیز مین سے کافی کے کپ پکڑے۔ پھر ایک کپ تالیہ کو تھمایا۔ دونوں ایک دفعہ پھر پھر ملی روش پہ چلنے لگے۔ سورج اب ڈوب رہا تھا اور جامنی اندھیرا چھا رہا تھا۔

”لیکن یوں حالات آسان ہو گئے۔ پولیس نے آپ کی وجہ سے ٹھک کرنا چھوڑ دیا۔ وہ لوگ جو میری جان کے دشمن بنے ہوئے تھے انہوں نے بھی میرا پیچھا چھوڑ دیا۔ میری یادداشت کھونے کی کہانی نے مجھے مزید پاپولر کر دیا۔ مجھے ایک شوٹل گیا جہاں میں اس بارے میں بات کیا کرتا تھا۔ کہ کیسے میں نیند سے جاگا تو میں ایک سلیمہ بٹی اور دو کتابوں کا مصنف تھا۔ چند

لوگوں نے اس بات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ میں نے انہیں فائدہ اٹھانے دیا پھر ان کی دھوکہ دہی کو جوتوں کے ساتھ بے نقاب کر دیا۔ یوں میرا شو مزید ترقی کر گیا۔ پولیس، میڈیا، عوام سب نے میری بات مان لی۔“
”اور فاتح؟“

”انہوں نے مجھ سے تعلق ختم کر لیا اور میں نے ان سے۔ کو کہ مجھے یقین ہے ان کو کبھی یقین نہیں آیا۔ لیکن وہ اس بات کا اعتراف نہیں کریں گے۔“

”اور کیسا لگا یہ سارا کون۔ کم کھیل کے؟“

”کلین سلیٹ کے بری لگتی ہے؟ خود کو ایسے ظاہر کرنا جیسے نیا نیا دنیا میں آیا ہو۔ یعنی کہ شہرت کی دنیا میں۔ میں نے از سر نو اپنی کہانی لکھی۔ نئے دوست بنائے۔ سب کچھ نئے سرے سے کیا۔ لیکن سکون... وہ نہیں ملا۔ شاید وہ انسان کے لیے اس دنیا میں لکھا ہی نہیں گیا۔“ وہ کافی پیتے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا۔

”مجھے پہلے ہی دن بتا کیوں نہیں دیا؟ اوہ اور میں جانتی ہوں جب میں تمہارے گھر آئی تھی تو تم نے کیا کیا تھا۔“

”کیا کیا تھا؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”تم نے راہداری میں لگے کیمرے سے مجھے دیکھ لیا تھا۔ تم نے اپنی سیکرٹری کو کال کی۔ اسے کہا کہ وہ لفٹ سے اوپر آئے اور ہاتھ میں موجود چیزیں گرا دے۔ پھر تم باہر نکلو گے اور اس سے اونچی آواز میں باتیں کرو گے۔ تم چاہتے تھے کہ میں وہ سب سن کے تمہاری یادداشت والی کہانی پہ یقین کر لوں۔“

”ظاہر ہے میں جانتا تھا کہ آپ چھپ کے گفتگو ضرور سنیں گی۔ کچھ عادتیں کبھی نہیں بدلتیں۔“ ایڈم نے گہری سانس لی۔ پھر کھنٹ بھرتے ہوئے اس کو دیکھا۔ وہ اب پہلے سے بہتر لگ رہا تھا۔

”کیا ایک لمحے کے لیے بھی آپ کو یقین نہیں آیا تھا میری کہانی پہ؟“

”اوتھوں۔ جب میں نے سنا تھا تو میں چونکی تھی۔ میرا دل زور سے ڈوبا تھا۔ پھر میں نے تمہارا ایک انٹرویو لکھا اور دیکھا کہ تم کہاں بیٹھے تھے۔ تم اپنی لائبریری میں بیٹھے تھے۔ اور تم نے اپنی لائبریری کے ریکس کو بالکل اسی طرح سیٹ کیا تھا جیسے باپا کے کتب خانے کو تم نے اپنی نگہبانی میں سیٹ کروایا تھا۔ وہی سیٹنگ، وہی اونچے نیچے ریک اور ان کے اتنے خانے۔ حالانکہ تمہاری لائبریری ماڈرن طرز پہ بنی تھی۔ بظاہر قدیم ملا کہ سے بالکل مختلف لیکن جیسے ہی میں نے وہ ریک دیکھے مجھے معلوم ہو گیا کہ تم جھٹ بول رہے ہو۔“

”وہ تو۔ مجھے کتابوں نے پکڑا دیا۔“ اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”لیکن ہو سکتا ہے مجھ وہ کتب خانہ خواب میں نظر آتا ہو۔“

”تب تم لاہوری کو قدیم ٹنگ دیتے۔ تم نے اسے جدید ٹنگ دی تھی۔“ اس نے یاد دلایا۔ ”اور تم نے اداکاری بھی اچھی کی۔ جنگل کے خوابوں کا تذکرہ.... وغیرہ وغیرہ.... لیکن مجھے کبھی یقین ہی نہیں آیا کہ تم سچ بول رہے ہو۔“

”پھر بھی آپ نے ظاہر کیا کہ آپ نے میرا یقین کر لیا ہے۔ وقت کے سوال حل کر لو، ایلم وغیرہ....“ ایلم نے مسکرا کے سر جھٹکا۔ اس کی شرمندگی کم ہوتی جا رہی تھی۔ ”یا شاید آپ مجھے جانتی تھیں۔“

چند لمحوں تک وہ دونوں خاموشی سے داک کرتے رہے۔ پھر ایلم نے پوچھا۔

”داتن سے ملاقات ہوئی آپ کی؟“

”نہیں۔ وہ کہاں ہے؟“

”معلوم نہیں۔ انہوں نے پہلے سال مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ میں نے پہچاننے سے انکار کیا تو دوبارہ رابطہ نہیں کیا۔“ وہ مغمومیت سے بولا۔ پھر چوٹکا۔ اور رک گیا۔ تالیہ بھی ساتھ ہی رکی۔

”ایک منٹ۔ آپ نے کہا کہ میں یثا کو جانتا ہوں۔ ہم مل چکے ہیں اور مجھے یاد نہیں ہے۔ اب چونکہ آپ جانتی ہیں کہ مجھے سب یاد ہے تو بتائیں۔ میں اس عورت سے کبھی نہیں ملا۔“

تالیہ نے افسوس سے اس کو دیکھ کے نفی میں سر ہلایا۔ ”تم نے واقعی اس کو نہیں پہچانا؟“

”نہیں۔ میں اسے کیسے پہچان سکتا ہوں؟“ وہ واقعتاً الجھ کے بولا۔

”اوہ ایلم۔“ وہ گہری سانس لے کر بولی۔ ”تم اس سے ملے تھے۔ ساڑھے چھ سال پہلے۔ عصرہ کی گیلری میں۔ وہ ایک پینٹنگ خریدنے آئی تھی اور تم نے اسے رہداری میں روک کے کچھ کہا تھا۔“

”میں نے اسے کیا کہا تھا؟“

”یہی کہ وہ تنگو کال کی ملازمہ ہے۔“

ایلم بن محمد بالکل ساکت ہو گیا۔ ”میں نے وہ آپ سے کہا تھا۔“

”نہیں۔ تم نے وہ ایک آرٹسٹ سوسائٹی امیر عورت سے کہا تھا جو کے ایل میں جانی پہچانی تھی۔ جس کے ہال منہرے تھے اور وہ ان قاتح کی فیملی سے تعلقات بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔“

ایلم کا لوہر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچہ رہ گیا۔ جھیل کنارے سارے پارک میں موت کا سناٹا چھا گیا۔

”یثا تاج کون آرٹسٹ ہے....“

Downloaded from PakSociety.com

Nemrah Ahmed: Official

#TeamNA

”ہالکل۔ وہ کاپی کیٹ ہے۔ اس کی شکل دیکھو۔ چھ سال پہلے میں ایسی لگا کرتی تھی۔ اس کے ہال اس کے منی کوٹ... ہیٹ... ٹیگینوں والے زپہدات... آرٹ میں دلچسپی... ایک ظالم اسٹاکراکیس ہر بیٹہ... اور قاتح کے ایک فیملی ممبر کے ذریعے اس کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش...“

”وہ تالیہ مراد ہے۔ وہ چھ سال پہلے کی تالیہ مراد ہے۔“ وہ دم سادھ سے دیکھ رہا تھا۔

”اور حیرت ہے تم نے اسے نہیں پہچانا۔ قاتح نے بھی نہیں۔ اتنے برس جو گزر چکے ہیں۔ تم دونوں نے تالیہ کو بھلا دیا۔ لیکن کوئی ہے جس نے تالیہ مراد کو نہیں بھلایا۔ کوئی ہے ایڈم جو ہم تینوں کو جانتا ہے۔ تم نے دیکھا وہ لڑکی کیا فوٹو گراف کرتی ہے؟ سیاہ گھوڑے۔ قدیم قلعوں کے سامنے کھڑے سیاہ گھوڑے۔ وہ قاتح کا گھوڑا تھا قدیم ملاکہ میں۔ کوئی ہے جس نے عین تالیہ مراد کی پروڈاکٹل پہ ایک عورت کو تیار کیا ہے اور وان قاتح کی زندگی میں داخل کیا۔“

”وہ کون دو من ہے۔ پیشا تاج ایک کون دو من ہے۔“ ایڈم نے ماتھے کو پھوہا۔ وہ ششدر رہ گیا تھا۔

”ہالکل۔ اور وہ کون دو من مجھے دیکھ کے پریشان ہو گئی ہے۔ وہ قاتح کے قریب رہ کے جو بھی کرنا چاہ رہی ہے وہ اس میں تیزی لے آئے گی۔ میری موجودگی سے اس کو خطرہ ہے۔“

”آپ جانتی ہیں اسے کس نے بھیجا ہے؟“

”نہیں۔ میں اس عورت کو بھی نہیں جانتی۔ لیکن وہ یا اس کے پیچھے جو بھی ہے اس نے تالیہ مراد کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے اور اسے ہمارے قدیم ملاکہ کے بارے میں بھی علم ہے۔ اس نے تالیہ کے عکس پہ پیشا کو بتایا ہے۔ وان قاتح نے اس کو اپنے قریب جگہ اس لیے دی ہے کیونکہ وہ اس میں مجھے دیکھتے ہیں اور وہ خود بھی اس بات سے واقف نہیں ہیں۔ مجھے اور تمہیں ایڈم بن محمد صرف میری بے گناہی نہیں ثابت کرنی بلکہ ہمیں قاتح کو اس عورت سے بھی محفوظ کرنا ہے۔ جو ہمیں کرنا آتا ہے اس سے ہم نے پھر سے اپنی جان بچانی ہے۔“

اس نے کافی کا گھونٹ بھرا اور روش پہ چلنے لگی۔ ایڈم سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ اس کے ساتھ چل دیا۔ وہ جانتا تھا تالیہ کے پاس پلان ہو گا۔ تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔

☆☆=====☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)